روشن حقائق

جلد دوم

تقیہ کی شرعی حیثیت

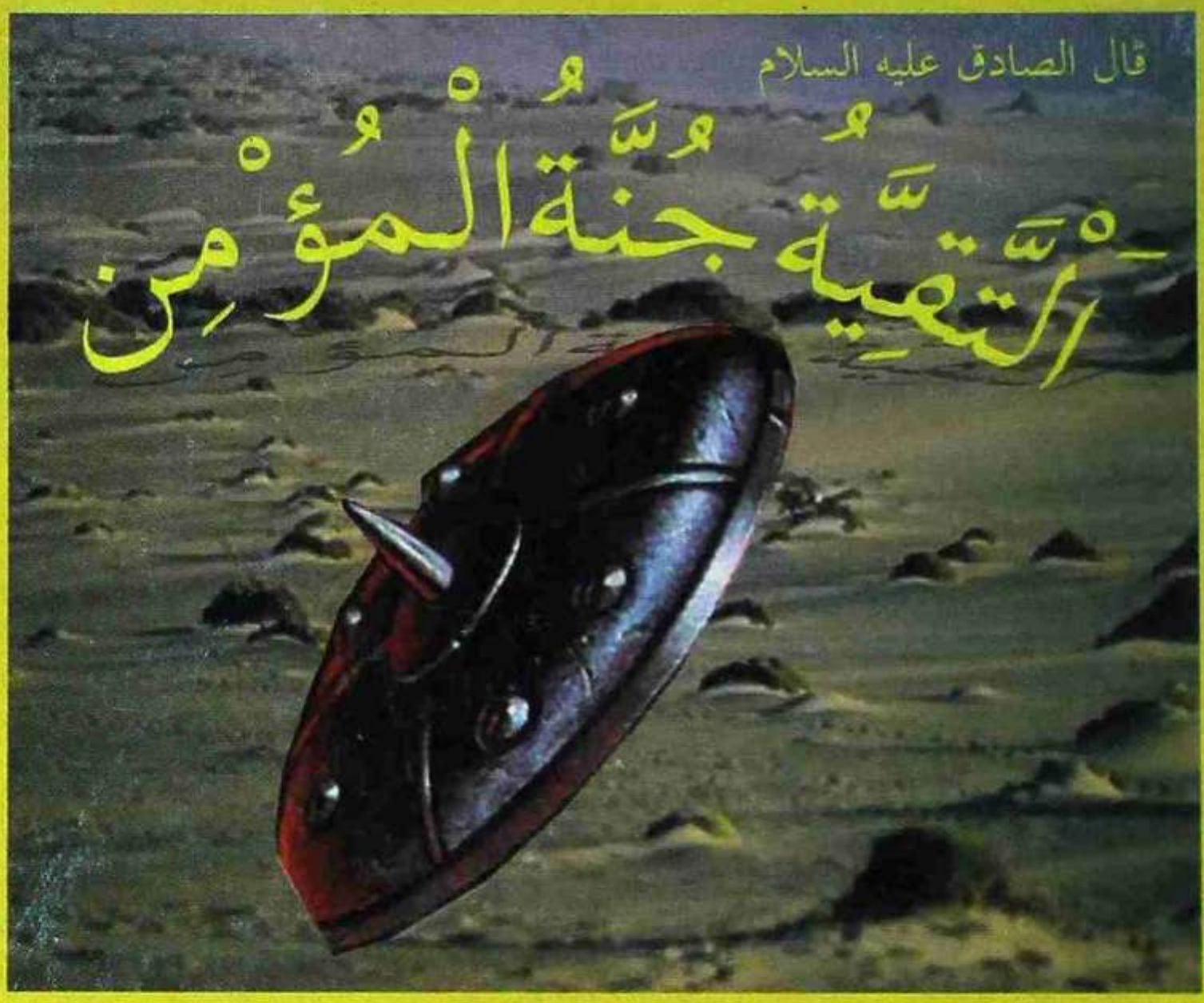

تالیف

سید رمیز الحسن موسوی

دار المودۃ

شوق اسلو ہا
15073
102360
شوق سرور
21/10/08
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤمِنُو نَ
الکافِرِیَن اَولِیاءَ مِن دُونِ
الْمُؤمِنِینَ وَمَن یَّفعَل ذٰلِکَ
فَلَیسَ مِنَ اللّٰہِ فِی شَیءٍ
اِلَّا اَن تَتَّقُوا مِنہُم
تُقاۃً وَیُحَذِّرُکُمُ
اللّٰہُ نَفسَہ وَاِلی
اللّٰہِ المَصِیر

آل عمران آیت ۲۸

...No.......................Date...
...........................Status...
...ection...............................
D.D. Class..............................
NAJAFI BOOK LIBRARY

BIBLIOTECA CENTRAL
BIBLIOTECA CENTRAL

BIBLIOTECA CENTRAL

15073
ACC No. 10,360 Date 21/10/05
Section متفرق اسلامی Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

روشن حقائق

جلد دوم

تقیہ کی شرعی حیثیت

تالیف

سید رمیز الحسن موسوی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar #2
KARACHI
PH. 7211795

یکی از مطبوعات
دار المودة

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات:۱

کتاب.....روشن حقائق جلد۲

موضوع.....تقیہ کی شرعی حیثیت

مؤلف.....سید رمیز الحسن موسوی

کمپوزنگ.....المودّت کمپوزر

سرورق.....عبدالقاسم مطہری

ناشر.....عصمت پبلی کیشنز

بار.....اول، محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

تعداد.....۲۰۰۰

مطبع.....قدس، قم

قیمت.....۷۵روپے

یکی از مطبوعات: دار المودّت

E-MAIL:mavaddat1214@yahoo.com

mavaddat1214@hotmail.com

عالمی معیاری کتاب نمبر:۷-۲۷-۶۹۶۳-۹۶۴/ISBN:964-6963-27-7

15973
10360 21/10/05
ACC No.......... Date..........
Section.......... Status..........
D.D. Class..........
NAJAFI BOOK LIBRARY

انتساب

میں اپنی اس حقیر سی علمی کاوش
کو نامور متکلم اور فقیہ شیخ مفید
علیہ الرحمۃ کے نام نامی سے
منسوب کرتا ہوں

مئولف

﴿فہرست﴾

عنوان	صفحہ
پیش لفظ: از حجۃ الاسلام والمسلمین سیّد جواد نقوی	۱۱
حرف آغاز	۱۵
پہلی فصل: تقیہ کا لغوی واصطلاحی مفہوم	۱۸
(الف) تقیہ کا لغوی معنیٰ	۱۸
(ب) تقیہ کا اصطلاحی معنیٰ	۱۹
چند نکات	۲۳
(ج) روایات میں تقیہ کے مختلف عناوین	۲۶
دوسری فصل: فقہ امامیہ میں تقیہ کی مشروعیت	۳۲
(الف) قرآن	۳۳
(ب) سنت	۴۱
(ج) عقل	۴۷
(د) اجماع	۴۹
تیسری فصل: حکم تقیہ کی فقہی حیثیت اور اقسام	۵۱

(الف) تقیہ: حکم اولی یا حکم ثانوی ۵۱

(ب) تقیہ اور اس کے احکام پنجگانہ ۵۳

(ج) تقیہ کی اقسام ۵۵

۱۔ تقیہ کی ذاتی تقسیم ۵۶

۲۔ تقیہ مداراتیہ ۵۸

چوتھی فصل: مستثنیاتِ تقیہ ۷۱

(الف) دین میں فساد کی صورت میں تقیہ حرام ہے ۷۱

(ب) شراب خوری، موزوں پر مسح اور متعہ حج میں تقیہ جائز نہیں ۷۴

(ج) قتل میں تقیہ جائز نہیں ۷۸

(د) آئمہ طاہرین سے برائت میں تقیہ ۷۸

پانچویں فصل: تقیہ سے متعلق چند مسائل ۸۷

(الف) خلافِ تقیہ، عمل کرنے والے کا حکم ۸۷

(ب) تقیہ میں اِجزا اور عدم اِجزا کی بحث ۹۱

(ج) تقیہ کا سبب خوفِ شخصی ہے یا خوفِ نوعی؟ ۹۲

(د) بحث مندوحہ ۹۴

چھٹی فصل: اہل سنت کی نظر میں تقیہ کا جواز	۹۹
(الف) علمائے اہل سنت کے نزدیک تقیہ کا مفہوم	۹۹
(ب) آیات تقیہ، مفسرین اہل سنت کی نظر میں	۱۰۲
پہلی آیت	۱۰۲
دوسری آیت	۱۲۰
(ج) سنت	۱۳۰
ساتویں فصل: تقیہ اور مذہب شیعہ	۱۳۶
شیعہ اور ظالم وخودسر حکمران	۱۳۸
عصر خلفاء	۱۳۹
عصر بنی اُمیہ	۱۴۰
معروف شیعہ شخصیات کی شہادت	۱۴۲
بنی مروان اور حجاج کا دور	۱۴۳
بنی عباس کا دور	۱۴۳
بنی عباس کے بعد کا زمانہ	۱۴۶
عثمانی حکومت	۱۴۷

آٹھویں فصل: تقیہ سے منفی اور مثبت استفادہ	۱۵۰
تقیہ سے سوء استفادہ	۱۵۲
تقیہ سے حُسن استفادہ	۱۵۷
نویں فصل: شبہات واتہامات اوران کا جواب	۱۶۱
(الف) مخالفین کے شبہات	۱۶۲
۱۔ تقیہ اور نفاق	۱۶۳
۲۔ کذب اور تقیہ	۱۶۶
۳۔ تقیہ اور اُصول دین امامیہ	۱۷۰
۴۔ تقیہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۱۷۲
۵۔ تقیہ اور اتحاد بین المسلمین	۱۷۳
۶۔ تقیہ اور باطنی گری	۱۷۶
۷۔ انبیا اور اوصیّا کا تقیہ	۱۸۲
(ب) عام شبہات	۱۹۰
اصحاب آئمہؑ کا تقیہ نہ کرنا	۱۹۷
فہارس	۲۰۲

پیش لفظ

از حجۃ الاسلام والمسلمین سیّد جواد نقوی دامت برکاتہ

دین اسلام خداوند تبارک وتعالیٰ کی جانب سے انسان کو عطا ہونے والی سب سے بڑی نعمت ہے۔﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ نبی اسلام صلی اللہ وآلہ وسلم نے اس دین کی تبلیغ وترویج کے لئے بہت زیادہ مصائب برداشت کیئے ہیں اور فرمایا:﴿ماأوذی نبیٌ مثل اوذیتُ﴾ ''جتنا میں ستایا گیا ہوں، اتنا کسی نبی کو ستایا نہیں گیا۔'' آل نبی علیہم السلام نے دین کی تبلیغ وترویج کے لئے بے دریغ قربانیاں دی ہیں۔نشر وتبلیغ کے ساتھ ساتھ اہم ترین ضرورت، دین کی حفاظت ہے۔

جہاں تک اصل دین کا تعلق ہے تو خداوند سبحان نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے﴿انانحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون﴾ لیکن کیا انسانوں کے پاس بھی دین اپنی حقیقی اور اصلی صورت میں پہنچے گا؟ اس کی ذمہ داری خود انسانوں پر ڈال دی ہے۔انبیاء کرام اور معصومین علیہم السلام مامور بہ تبلیغ دین بھی ہیں اور اس کی حفاظت پر بھی مامور ہیں۔دین کو سب سے بڑا خطرہ تحریف کے نام سے درپیش ہے اسلام سے قبل سابقہ شرائع اس خطرے میں مبتلا ہو کر اپنا حقیقی رنگ وروپ کب کا گنوا چکی ہیں۔اسلام کا اساسی منبع قرآن کریم ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ومنزہ ہے لیکن فہم قرآن کریم یقیناً تحریف کا شکار ہے قرآن مجید کی مسلمہ تعلیمات مسلمانوں کے اندر اختلافات کا معرکہ بن گئی ہیں قرآن کی روشن اور جلی آیات کے فہم میں مسلمان تردید کا شکار ہیں قرآن کے متقن اُصولوں کے بارے میں مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات موجود ہیں جس کی دلیل آج مسلمانوں کے اندر اتنے زیادہ فرقوں اور نظریوں کی موجودگی ہے۔

قرآن کی حفاظت خداوند تعالیٰ کا کام ہے لیکن فہم قرآن واسلام کو تحریف سے محفوظ رکھنا علماء اور محققین کا کام ہے۔وارثان انبیاء معصومینؑ کی تعلیمات کے نتیجے میں صحیح فہم پر قدرت رکھتے ہیں اور عام

افراد کو بھی قرآن ودین کے صحیح فہم کا موقع فراہم کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی مسلمہ تعلیمات جو مسلمانوں کے ذہنوں میں محل تردید واقع ہوئی ہیں ان میں سے مسئلہ نبوت ،امامت ،عدل الٰہی ،عصمت ،عبادت ،ایمان ،کفر ،تقیہ ،متعہ ،خمس ، ذکات ،حکومت ، سیاست ، وغیرہ جیسے کئی دیگر امور ہیں۔

مذکورہ امور کی فہم میں اس قدر تشتت اور افتراق پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات طرفین بلکہ اطراف ایک دوسرے سے کوسوں دور ہو کر درست ایک دوسرے کے مقابلے میں آجاتے ہیں ۔حاملان قرآن اور وارثان دین کی ذمہ داری ہے کہ اپنی علمی رسالت ادا کریں تا کہ مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی عقیدتی اور فکری خلیج وتشویش کم بلکہ ختم ہو سکے۔تقیہ قرآن مجید کی مسلمہ تعلیمات کا مصداق ہے جس کے اوپر تعصب، جہالت ، نادانی ، مفاد پرستی ،تفرقہ بازی اور خواہشات کا دبیز غبار جما ہوا ہے اور آج حالت یہ ہو چکی ہے کہ جو لوگ تقیہ جیسی قرآنی ودینی اصل پر قائم ہیں اور اس پر عقیدہ رکھتے ہیں تہمتوں کے زہریلے تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔

جبکہ تقیہ ایک عقلی ،عقلائی ،دینی وقرآنی اور الٰہی قدر ہے کوئی ایسا فرد بشر پیدا کرنا ممکن نہیں جو تقیہ نہ کرتا ہو اسی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ تقیہ اسلام کے تأسیسی مسائل میں نہیں بلکہ امضائی امور میں سے ہے تقیہ کے جواز پر عقلی ونقلی ادلہ کثرت کے ساتھ کتاب حاضر میں موجود ہیں جن سے قارئین بخوبی واقف ہو جائیں گے۔

دنیائے ارتباطات میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا ہے اس نے پوری زمین پر رہنے والے تمام انسانوں کو بہت قریب کر دیا ہے یہ قربت نہ فقط انسانوں میں بلکہ نظریات وافکار میں بھی وجود میں آئی ہوئی ہے خاص کر مذاہب اور ادیان کے اندر تاریخ میں پہلی دفعہ اتنی وسیع سطح پر آمنا سامنا ہوا ہے۔مہاجرت کے نتیجے میں قومی اور مذہبی اختلاط پیدا ہوا ہے پوری دنیا میں مخلوط معاشرے وجود میں آئے ہیں جو نہ فقط رنگ ونسل بلکہ افکار ونظریات اور دین ومذہب ،تہذیب وتمدن میں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اگر ایک

دوسرے کے ساتھ رواداری سے پیش نہ آئیں تو دنیا جنگ وجدال کا محور بن جائے گی باشعور اور مہذب قومیں رواداری کی بناء پر ہی وجود میں آتی ہیں اور آئیں گئیں۔اسی قومی، مذہبی رواداری کا دوسرا نام تقیہ ہے مخلوط زندگی کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ لوگ اپنا مذہب وثقافت چھوڑ دیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے دوسروں کے عقائد کا احترام کیا جائے بعض اوقات اس غرض کے حصول کی خاطر اپنے عقیدہ یا مذہب کو پنہان بھی رکھنا پڑتا ہے۔

تقیہ فقط چند فقہی احکام میں منحصر نہیں ہے بلکہ رواداری کا میدان بہت وسیع ہے زمان حاضر میں ہر شے سے زیادہ سیاسی اور اجتماعی رواداری کی اہمیت ہے حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اسی باب سے تقیہ کو زیادہ اہمیت دیتے تھے چنانچہ آپ کے فتاویٰ مخصوصاً حج کے بارے میں اس بات کی واضح دلیل ہیں۔

خوفی وفردی تقیہ، موقت حکمت عملی کے طور پر دین اور دیندار یا حق اور حق پرست دونوں کے لئے ایک سپر ہے جیسا کہ روایات میں تقیہ کے لئے یہی لفظ استعمال کیا گیا ہے ﴿التقیہ جنة للمؤمن﴾ تقیہ مؤمن کے لئے ڈھال ہے۔ڈھال فقط خطرے کے وقت ڈھال ہے لیکن ڈھال کو اگر خوف وخطرے کے بغیر محض احتمالی نقصانات سے بچنے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ ڈھال کے بجائے حجاب بن سکتی ہے خصوصاً جب تقیہ کا مفہوم بگڑ کر دین وحق کی حفاظت کے بجائے جان بچانے کا نام بن جائے۔فردی حالت سے نکل کر ایک عمومی شکل اختیار کر لے، خطرے کے مقابلے میں سپر کے طور پر استعمال ہو تو اس صورت میں اسے سرے سے تقیہ کہا ہی نہیں جائے گا کیونکہ جب اجتماعی شکل میں طویل مدت کے لئے تقیہ اختیار کیا جائے تو آہستہ آہستہ مذہب حقہ کے خدوخال مٹنا شروع ہو جاتے ہیں تقیہ کے سائے میں رہنے والی قوم کبھی بھی اپنا مذہب وعقیدہ اگلی نسلوں کو منتقل نہیں کر سکتی جس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں از جملہ سرحد میں آباد سادات گھرانے اور بلوچستان یا دوسرے علاقوں میں آباد بلوچ قبائل جو مستند تاریخی شواہد کی بناء پر مذہب حقہ امامیہ کے پیروکار تھے وقت کے ظالم حکمرانوں اور ستم پیشہ نظام نے انھیں اجتماعی تقیہ پر مجبور کیا جس کی وجہ سے آج ان کی اولاد کو یہ تک نہیں معلوم کہ ان کے آباؤ اجداد کا کس مذہب سے تعلق تھا۔

بنابرایں تقیہ پر عمل کرنے کے لئے سب سے پہلے موضوع کی تشخیص ضروری ہے سواس کے بعد شرائط اور حکم کی تعین لازمی ہے۔ کسی چیز کا جواز اس کے لزوم پر دلیل نہیں ہوتا، ایسے امور روز مبادا کے لئے ہوتے ہیں نہ روزمرہ زندگی کے لئے۔ تقیہ کے جواز کا انکار دین میں واضح تحریف کی مثال ہے اور ہر صورت میں اور ہر وقت میں اس کے لزوم پر اصرار دین سے لاعلمی کا نمونہ ہے۔

کتاب حاضر جناب رمیز الحسن موسوی صاحب کی دوسری قلمی کاوش ہے۔ اس سے پہلے تحریف قرآن سے متعلق امامیہ پر لگائی تہمت کا مدلل جواب دے چکے ہیں اور اب تقیہ کی شرعی حیثیت پر مذہب حقہ امامیہ کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ اگر کوئی شخص تعصب جیسی موذی بیماری میں مبتلا نہ ہو تو اس کتاب میں اسے روشن اور جلی حقائق کا سامنا ہوگا، جنہیں ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

رمیز الحسن موسوی صاحب حوزہ علمیہ قم کے فاضل محصلین میں سے ہیں جن کے اندر دین کا درد واضح طور پر محسوس ہوتا ہے دین سے دفاع کی توفیق انھیں خداوند تعالیٰ نے عطا کی ہے خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ آئندہ بھی ان کے قلمی آثار وقتاً فوقتاً اہل دین کی بصیرت کا باعث بنتے رہیں۔

کتاب کے مطالعہ سے ہر شخص کو فاضل مصنف کی وسعت معلومات کا اندازہ ہو جائے گا ان کی علمی اور عملی شخصیت کی غمازی ان کی قلمی کاوشوں سے بخوبی ہو رہی ہے خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ دین کے اس مخلص مدافع کو اپنے سایہ حفاظت میں محفوظ فرمائے، آمین۔

بندہ حقیر

سید جواد نقوی

حوزہ علمیہ قم

۲۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

شریعت اسلام میں دوسرے بہت سے مسائل کی طرح جو مسئلہ دلیل و برہان بشمول قرآن وسنت اور عقل واجماع سے قابل اثبات ہے وہ مسئلہ ''تقیہ'' ہے تمام اسلامی مذاہب میں سے مذہب امامیہ اس مسئلہ کے جواز اور مشروعیت کے بارے میں کسی شک وتردید کا شکار نہیں کیونکہ مکتب شیعہ نے اپنی پر مشقت تاریخ اور سیاسی واجتماعی نشیب وفراز میں اس رخصت شرعی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور ہر دور میں اپنے مدمقابل جابر وظالم سیاسی طاقتوں کے ظلم وستم سے تقیہ جیسی الٰہی حکمت عملی کے ذریعے نجات حاصل کی ہے اور اس طرح اپنے آپ کو انقراض ونابودی کے خطرے سے محفوظ رکھا ہے تقیہ کے ساتھ اسی طولانی سروکار کی وجہ سے فقہائے امامیہ نے اس شرعی مسئلہ کے بارے میں مختلف پہلوؤں سے تحقیقات پیش کی ہیں اور اس کے ہر اس پہلو پر فقہی نقطہ نظر سے بحث کی ہے کہ جو مکلفین کی عملی زندگی میں پیش آسکتا ہے۔ اسی طرح مخالفین کے مقابلے میں بھی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کو قرآن وسنت اور عقل کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔

شرعی ونقلی ادلہ کے قطع نظر تمام عقلائے عالم تقیہ کو قولاً وعملاً قبول کرتے ہیں اور اسے انسانی غرائز کے عین مطابق سمجھتے ہیں لیکن بعض سیاسی وجوہات کی بناء پر مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ اس مسئلہ کا قولاً انکار کرتا ہے اور جو لوگ قولاً وعملاً اس مسئلہ پر عمل پیرا ہیں انھیں اپنے شبہات واتہمات کے تیروں کا نشانہ بناتا ہے بالخصوص بنی امیہ اور بنی عباس کی پروپیگنڈا مہم نے تقیہ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور انہی کی پیروی میں ہر دور کی ظالم وجابر اور سامراجی قوتیں مسئلہ تقیہ کو مشکوک بنانے کی سعی کرتی رہی ہیں اس مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ تقیہ ضعیف اور مظلوم قوموں کے تحفظ اور ظالموں کے خلاف جدوجہد کا بہترین ہتھیار ہے کہ جس کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔ لہذا اس سلسلے میں عالمی سامراجی طاقتوں کے تأسیس شدہ یا ان سے وابستہ گروہوں نے تقیہ کی مخالفت میں بھرپور کردار ادا کیا ہے

اور وہ اب تک تقیہ کے بارے میں نت نئے شبہات پیدا کر رہے ہیں حتیٰ کہ اس سلسلے میں یہ لوگ تقیہ کی مشروعیت کے قائل افراد پر اتہامات لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔مخالفین کے ان شبہات کی وجہ سے تقیہ کے مفہوم کے بارے میں جہاں دوسرے اسلامی مذاہب شک وتردید رکھتے ہیں وہاں تقیہ کا مسئلہ خود اہل بیت اطہارؑ کے پیروکاروں میں سے بعض ایسے افراد پر بھی مبہم ہے کہ جو اپنے مذہب کی صحیح شناخت نہیں رکھتے یا مذہبی مفاہیم کے بارے میں سطحی پن کا شکار ہیں۔ یہ لوگ تقیہ کی غلط تفسیر کرتے ہیں اور اسے اسلامی فرائض اور دینی ذمہ داریوں کو ترک کرنے کا جواز سمجھتے ہوئے مسلمانوں کے اجتماعی وسیاسی امور میں جرأت مندانہ اقدام کے بجائے گوشہ نشینی وسکوت اختیار کرنے کا بہانہ بناتے ہیں اس قسم کے طرز تفکر کا بڑا سبب ان لوگوں کے لئے تقیہ کے مفہوم اور اس کے موارد استعمال سے نا آگاہ ہونا ہے۔

بہر حال مسلمانوں کی عملی زندگی میں تقیہ کا گہرا عمل دخل ہے لیکن اس سے جہالت کے سبب مسلمانوں کو نا قابل تلافی نقصان ہو رہا ہے اور دشمنان اسلام اس جہالت اور نا آگاہی سے بھر پور فائدہ اُٹھاتے ہوئے روز بروز مسلمان معاشروں میں نفوذ کر کے اِنہیں نقصان پہنچا رہے ہیں اور مسلمانوں سے تقیہ جیسی دفاعی حکمت عملی چھین کر اسے اپنے نفع میں استعمال کر رہے ہیں اسی لئے تقیہ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر واضح کرتے ہوئے جہاں اس دینی واسلامی مسئلہ کا دفاع کرنا ضروری ہے وہاں اس کے بارے میں جو شبہات پیدا کئے گئے ہیں ان کی حقیقت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا بھی ایک لازمی فریضہ ہے اسی مقصد کے تحت چند فصلوں میں تقیہ کے حقیقی مفہوم کو روشن کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ سب سے پہلے تقیہ کا اصطلاحی ولغوی مفہوم بیان کیا گیا ہے پھر اس کے جواز کو نقلی وعقلی ادلہ سے ثابت کرنے کے بعد اس کی فقہی حیثیت اور اقسام کو بیان کیا گیا ہے اور پھر مسئلہ تقیہ سے استثناء ہونے والے امور کی وضاحت کی گئی ہے اور اسکے بعد تقیہ سے متعلق چند فقہی مسائل پیش کئے گئے ہیں ۔ایک فصل میں برادرانِ اہل سنت کے دینی وعلمی منابع اور علماء کے بیانات کی روشنی میں تقیہ کی شرعی حیثیت پر بحث کی گئی ہے پھر مذہب شیعہ سے تقیہ کی وابستگی کے علل واسباب بیان کئے گئے ہیں ۔آٹھویں فصل میں تقیہ سے مثبت ومنفی استفادے کے بارے میں بحث کرنے

کے بعد آخری فصل میں تقیہ سے متعلق چند اہم شبہات اوران کے جواب کے بارے میں کچھ معروضات پیش کی گئی ہیں۔لیکن اس کے باوجود مسئلہ تقیہ کے بہت سے پہلوابھی روشن ہونے باقی ہیں اور ہماری یہ معمولی سی کاوش اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کوروشن کرنے کے لئے یقیناً کافی نہیں۔خدا کرے یہ ناچیز کاوش مذہب حقہ امامیہ کے دفاع میں موثر ثابت ہو۔آخر میں استاد معظّم حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید جوادنقوی صاحب دامت برکاتہ کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ انھوں نے کتاب کے مسودہ کی تصحیح اور نظر ثانی کرنے میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا ہے اور کتاب کے لئے مختصر مگر جامع پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔

اسی طرح جناب سیّد علی حیدر رضوی اور جناب محمد افراہیم میر کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو منظر عام پر لانے میں مالی تعاون کیا ہے۔خداوند متعال سے ان دوستوں کے بزرگان کی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا ہے۔خداوندان کی توفیقات میں مذید اضافہ فرمائے۔

خداوند متعال سے دعا ہے کہ آئندہ وسیع فرصت کے ساتھ اس مسئلہ کے دوسرے دقیق نکات کی وضاحت کرنے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ اس کے ناقص پہلوؤں کو مکمل کیا جا سکے۔

والسلام

سید رمیز الحسن موسوی

حوزہ علمیہ قم

۲۹ ذالحجہ ۱۴۲۲ھ

پہلی فصل:

تقیہ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

الف: تقیہ کا لغوی معنی

لغت میں تقیہ مادہ ''وَقیٰ ،یَقِي ''اور ''اِتَّقی، یَتّقِي'' سے مصدر ہے۔(۱) بعض نے اسے اسمِ مصدر کہا ہے۔(۲) یہاں ''واو''، ''تاء'' میں بدل گیا ہے۔اس مادہ کے تحت جو بھی کلمات آئے ہیں انکا معنی ،حفاظت کرنا، بچانا، پرہیز کرنا اور امور کی اصلاح کرنا ہے۔

قرآن کریم میں بھی ''وقیٰ'' حفاظت اور بچانے کے معنی میں آیا ہے: ''فَوَقٰاهُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِ مَامَكَرُوا'' (۳) یعنی: خداوند متعال نے اس (موسیٰؑ) کو ان برائیوں سے بچایا (کہ جو آل فرعون نے اس کے بارے میں سوچ رکھی تھیں)۔

تُقاة،تقيّة،تقویٰ و اتّقاء، سب ایک ہی (مادہ سے) ہیں۔اسی لئے بعض قرآنی قرائتوں کے مطابق آیہ مبارکہ: ''اِلّاأن تَتَّقُوا مِنهُم تُقٰاةً ''(۴) میں ''تُقٰاةً'' کی جگہ ''تقيّة'' پڑھا گیا ہے۔(۵)

---

(۱) الصحاح، (اسماعیل بن حماد جوہری)، مادہ وقی۔

(۲) کتاب المکاسب، ج ۳، ص ۱۲۷ (رسالۃ فی التقیۃ)

(۳) مؤمن (غافر)، آیت ۴۵۔

(۴) آل عمران، آیت ۲۸۔

(۵) مجمع البیان، سورہ آل عمران ذیل آیہ ۲۸۔

ب: تقیّہ کا اصطلاحی معنی

تقیہ کا اصطلاحی معنی بیان کرنے کیلئے بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں۔ان میں سے اکثر تعاریف ''جامع افراد اور مانع اغیار'' نہیں، کیونکہ ان میں سے کوئی بھی تقیہ کی حقیقی تعریف نہیں بلکہ ''شرح الاسمی'' تعریف ہے۔لہذا ان پر جامع و مانع تعریف نہ ہونے کا اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں بطور نمونہ بعض علماء سے منقول تقیہ کی چند تعریفیں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔شیخ مفیدؒ

﴿التقيّة كتمان الحق و ستر الاعتقاد فيه ومكاتمة المخالفين وترک مظاهرتهم بما يعقب ضرراً في الدّين أو الدّنيا﴾(۶)

'حق کو پوشیدہ رکھنا اور عقیدہ حقہ کو مخالفین سے چھپانا اور جن چیزوں کے اظہار سے دینی و دنیوی نقصان کا اندیشہ ہو ان کو ظاہر کرنے سے پرھیز کرنا، تقیہ کہلاتا ہے''۔

۲۔شیخ مرتضی انصاریؒ

﴿والمراد هنا التحفظ عن ضرر الغير بموافقته في قول اوفعل مخالف للحق﴾(۷)

''یہاں تقیہ سے مراد یہ ہے کہ دوسروں کے مخالفِ حق، قول و فعل کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے ان کی طرف سے (متوقع) ضرر و نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا''۔

---

(۶) تصحیح الاعتقاد الامامیہ، ص ۱۳۷۔

(۷) کتاب المکاسب، ج ۳، ص ۱۲۷ (رسالۃ فی التقیۃ)۔

بعض نے شیخ انصاریؒ کی تعریف پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ شیخ کی تعریف میں ''مخالفٌ للحق'' کی قید زائد ہے۔ چونکہ ہمیشہ مخالف حق قول وفعل کے ساتھ ہی موافقت نہیں کی جاتی بلکہ کبھی موافق حق قول وفعل میں بھی تقیہ کیا جاتا ہے۔ جیسے منافق کا مسلمان سے تقیہ کرنا اور اپنے نفاق کو مؤمنین سے چھپانا (۸) لہذا تقیہ ایک عام مفہوم ہے کسی ایک مورد سے مختص نہیں۔

بظاہر یہ اعتراض وارد نہیں چونکہ ہمیں نفاق اور تقیہ میں فرق کرنا چاہیئے۔ منافق کا موافقِ حق قول وفعل میں مؤمنین کی موافقت کرنا تقیہ نہیں ہے بلکہ نفاق ہے۔ تقیہ فقط اہل ایمان کرتے ہیں، منافق نہیں کرتے۔ چونکہ تقیہ واجب ہے اور نفاق حرام۔

۳۔ علامہ طبرسیؒ

﴿وَالتَقِيَّةُ اَلأظهارُ بِاللِّسانِ خِلافُ ماينطوى عَلَيهِ القَلبُ لِلخوفِ علىٰ النَفسِ﴾ (۹)

''اپنی جان کے خوف سے جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف زبان سے اظہار کرنے کو تقیہ کہتے ہیں''۔

۴۔ شیخ طوسیؒ

﴿التقيّةُ: الاظهار باللسان خلاف ماينطوى عليه القلب للخوف على النفس اذا كان مابطنه هو الحق﴾ (۱۰)

---

(۸) تقیہ رمز بقا، ص ۲۹ بحوالہ ھدایۃ الطالب الی اسرار المکاسب۔

(۹) مجمع البیان، ج ۲، ص ۲۹۷۔

(۱۰) التبیان، ج ۲، ص ۴۳۴۔

''اپنی جان کے خوف سے جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف اظہار کرنے کا نام تقیہ ہے البتہ اس شرط کے ساتھ کہ جو دل میں ہو، وہ حق بات ہو (نہ کہ خلافِ حق)''۔

۵۔آیت اللہ بروجردیؒ

﴿بِحِفظِ الشّخصِ عقیدَتَهُ مِن جِهة حِفظِ الأمرِ الأَهَمّ﴾(۱۱)

''کسی شخص کا اپنے عقیدے (اور نظریے) کو کسی اہم و نہایت ضروری امر کی خاطر چھپانا (محفوظ رکھنا) تقیہ کہلاتا ہے''۔

۶۔آیت اللہ شہرستانیؒ

﴿اَلمُراد مِن التَقَیَّةِ أِخفاء أمر دینی لِخوف الضرر مِن اِظهاره﴾(۱۲)

''اگر کسی امر دینی کے اظہار پر ضرر کا خوف ہو تو اسے مخفی رکھنا تقیہ کہلاتا ہے''۔

۷۔شہید اولؒ

''التقیّةُ مُجاملة النّاسِ بِمایَعرِفُونَ وتَرکُ ماینکرون فی قول اوفعل مخالف للحق''(۱۳)

''عام لوگوں کے ساتھ مخالف حق قول یا فعل میں (خوش رفتاری کرتے ہوئے) شانہ بشانہ چلنا کہ جسے وہ اچھا جانتے ہیں اور ان چیزوں کو ترک کرنا کہ جنہیں وہ برا جانتے ہیں''۔

یہاں ہم نے شیعہ علماء، فقہاء اور مفسرین میں سے چند برجستہ شخصیات کے اقوال نقل

---

(۱۱) القاعدۃ الفقہیۃ الامامیہ، ص ۱۔

(۱۲) اوائل المقالات (الحواشی والتعلیقات)، ص ۲۱۵۔ (۱۳) القواعد والفوائد، ج ۲، ص ۱۵۵۔

کیئے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے الفاظ میں تقیہ کی تعریف کی ہے اوراصطلاحی معنی بیان کیا ہے۔ مذکورہ تعریفوں میں سے بعض کا دائرہ وسیع ہےاور بعض کا دائرہ تنگ ہےاور بہت سے ایسے اقوال وافعال کوشامل نہیں جوتقیہ کا مفہوم ادا کرتے ہیں۔ مثلاً جس تعریف میں فقط باطنی معتقدات کے برخلاف زبانی اظہار کوتقیہ کہا گیا ہے وہ ان افعال کوشامل نہیں کہ جوانسان اپنے اعضاء وجوارح سے باطنی اعتقاد کے خلاف انجام دیتا ہے جیسے نماز میں تقیہ کہ جوزبان کے علاوہ انسانی اعضاء وجوارح کے ذریعے اظہار عمل کا نتیجہ ہے۔لہذا اس اعتراض سے بچنے کیلئے ہم اس تعریف کووسعت دیتے ہوئے کہہ سکتے ہیں: ﴿التقیّة هی الاظهار باللسان اوبسائر الاعضاء﴾ کیونکہ تقیہ کے اکثر مواردایسے اعمال میں پیش آتے ہیں کہ جوانسانی اعضاء وجوارح سے انجام پاتے ہیں۔

ان تعریفوں میں سے بعض نے فقط ''خوف علی النفس'' کی قیدلگائی ہے لیکن ضروری نہیں تقیہ فقط جان کے تحفظ ہی کے لئے انجام پائے بلکہ عزت وناموس ،مال ودولت اوردینی وسیاسی اوراجتماعی مصلحتوں کی خاطر بھی تقیہ کیا جاتا ہے۔جیسا کہ بہت سی روایات واحادیث میں مذکورہ مصلحتوں کی خاطر بھی تقیہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔البتہ اجتماعی ودینی اورسیاسی مصلحتوں کو''اولویت'' کے عنوان سے اس تعریف میں داخل کیا جاسکتا ہے۔یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ''جب تقیہ جان ونفس کی خاطر ضروری ہےتوعام مؤمنین کوضرر ونقصان سے بچنے اوراسلامی معاشرے وحکومت کی مصلحتوں کی خاطر بطریق اولیٰ لازمی ہوگا''۔

اس طرح عزت وناموس اور مال ودولت کوبھی اس تعریف میں داخل کیا جاسکتا ہےاور یہ کہہ سکتے ہیں کہ:''قدرومنزلت اورحرمت کے لحاظ سے مؤمن کی عزت وآبرواور مال ودولت اس کے نفس کی مانند ہے۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

قال النبی (ص): ﴿حرمة مال المسلم کحرمة دمه﴾(۱۴)

''مسلمان کے مال کی حرمت، اس کے خون کی حرمت کی مانند ہے''۔

البتہ ان تمام اصطلاحی معنوں اور تعریفات کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض نے ایک جامع تعریف کرنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ایک تعریف میں تقیہ کا یہ مفہوم پیش کیا گیا ہے:

''بعض احکام شرع کو دینی مصالح اور دوسرے اسلامی فرقوں اور مذاھب کے ساتھ مدارا کرنے کی خاطر ترک کرنا تقیہ کہلاتا ہے، اس شرط کے ساتھ (کہ اس ترک کرنے میں) کوئی غرض عقلائی موجود ہو یا جان و مال وعزت وناموس کا خوف ہو''۔(۱۵)

چند نکات

تقیہ کے اصطلاحی مفہوم سے متعلق مذکورہ بالا تمام تعریفوں کے مطالعے سے چند نکات سامنے آتے ہیں جن کی طرف توجہ کرنے سے ہمیں تقیہ کا ایک جامع مفہوم مل سکتا ہے۔ وہ نکات یہ ہیں:

۱۔ عقیدہ حقہ کو مخفی اور پوشیدہ رکھنا تقیہ کا ایک اہم رکن ہے۔

۲۔ مخالفین حق کے ساتھ موافقت وہم آہنگی کرنا، تقیہ کا ایک دوسرا رکن ہے۔

۳۔ حق کا یہ اخفاء اور باطل کا تظاہر یا تو جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کیلئے ہے یا دینی واجتماعی وسیاسی مصالح اور عام مؤمنین کو ضرر و زیاں سے محفوظ رکھنے کی خاطر ہے۔ پس کسی دینی

---

(۱۴) التفسیر الکبیر، ج۸، ص۱۲۔

(۱۵) فرہنگ اصطلاحات فقہی، ص۱۴۔

عقیدے کوضرر ونقصان کے خوف سے مخفی کرنے کانام اسی وقت تقیہ ہوگاجب وہ حق پر مبنی ہوگا۔خلاف حق نظریے وعقیدے کومخفی کرنا تقیہ نہیں کہلاتا۔

۴۔تقیہ کے دو پہلو ہیں،ایک سلبی پہلواوردوسرا ایجابی پہلو۔حق کا کتمان اورحق کو پوشیدہ رکھنا،سلبی پہلواورمخالفین حق کے ساتھ موافقت وقدم بہ قدم چلنا،تقیہ کاایجابی پہلو ہے۔ان دونوں پہلوؤں کی علت ایک ہی ہے اوروہ ضرر ونقصان سے بچنا ہے،ضرر خواہ جانی ہو یامالی،عزت وناموس کاضرر ہو یااجتماعی وسیاسی۔

۵۔تقیہ کابنیادی مقصد یہ ہے کہ اپنی قوت کودشمن کے مقابلے کے لئے محفوظ رکھ کراسے بلامقصد ضائع ہونے سے بچایا جائے تاکہ دینی واجتماعی اہداف اورمصلحت عامہ کی خاطراس ذخیرہ شدہ قوت سے بروقت استفادہ کیاجاسکے۔

۶۔آیت اللہ بروجردیؒ کی تعریف میں کسی اہم وضروری امرکی خاطراپنے عقیدے ونظریے کے کتمان کوتقیہ کہاگیاہے۔اس تعریف میں جوچیز مدنظررکھی گئی وہ تقیہ کافلسفہ ہے یعنی ایک عمیق جدوجہدکیلئے آمادہ ہونااوراپنی قوت کواجتماعی زندگی کے اہم ترین مقاصدکیلئے استعمال کرنا،تقیہ کہلاتا ہے۔پس تقیہ تدبیراورحکمت عملی ہے جس کے ذریعے انسان کونظم وانضباط کیساتھ نظریاتی جدوجہداورمبارزے کیلئے تیارکیاجاتا ہے۔

۷۔تقیہ ہراس قوم وجماعت کیلئے ایک ڈھال وسپر ہے جس پراکثریت کاغلبہ ہواوروہ اکثریت،اس اقلیت کواظہارعقیدہ اوراس کے مطابق عمل کرنے کی اجازت نہ دیتی ہوتووہ اقلیت عقلی وشرعی رخصت سے استفادہ کرتے ہوئے فطرت انسانی کے عین مطابق اہم ترین مقاصدکی خاطرتقیہ کاسہارالیتی ہے۔

۸۔اگر تقیہ کی نسبت اظہارِ حق زیادہ ضروری ہو تو تقیہ اپنی اہمیت کھو دیتا ہے اور اس وقت اہم ترین مقصد کی خاطر جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی تک دی جاسکتی ہے۔لہذا کبھی تقیہ حرام ہو جاتا ہے، جس کا تفصیلی بیان آئندہ صفحات میں ہوگا۔

۹۔جنگ و جہاد میں تقیہ کی اہمیت کھل کر سامنے آتی ہے اسی لیے دنیا کی تمام افواج میں فوجی حکمت عملی (Strategy) میں استتار اور پوشیدگی (camouflage) کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اسے ہم دینی اصطلاح میں تقیہ ہی کہہ سکتے ہیں۔چنانچہ قرآن کریم میں جہاد کے باب میں اس سلسلے میں واضح تعلیمات ملتی ہیں۔سورہ انفال کی درج ذیل آیت میں خداوند متعال فرماتا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا زَحۡفًا فَلَا تُوَلُّوۡهُمُ الۡاَدۡبَارَ ☆ وَ مَنۡ یُّوَلِّهِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَةٍ......﴾ (۱۶)

”اے وہ لوگو! جو ایمان لاچکے ہو، جب میدان جنگ میں ان لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے جو کافر ہو گئے ہیں تو تم ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ (یعنی فرار نہ کرو) اور جو اس دن پیٹھ دکھائے گا (یعنی جنگ سے فرار کرے گا) سوائے اس کے کہ وہ جنگ کیلئے پہلو بدلتا ہے یا کسی اور دستہ کی طرف جگہ پکڑتا ہو......“۔

اس آیت شریفہ میں جنگ سے فرار کی مذمت کی گئی ہے لیکن دو صورتوں میں فرار کو جائز قرار دیا گیا ہے جو کہ بظاہر فرار ہے لیکن درحقیقت مبارزے و جہاد کی ایک دوسری شکل اور تدبیر ہے کہ جو جنگ کے میدان میں ”تقیہ“ کی واضح شکل ہے۔یعنی اپنی قوت میں اضافے کیلئے وقتی طور پر جہاد سے منہ موڑ لینا اور پھر تجدید قوت کے ساتھ وارد معرکہ ہونا یا کمزور پہلو کی طرف بڑھنا اور دشمن پر ظاہر کرنا کہ میں جنگ سے فرار کر رہا ہوں۔ لیکن تجدید قوت کے بعد دوبارہ

---

(۱۶) سورہ انفال آیت ۱۵،۱۶۔

میدان میں لوٹ آنا۔تقیہ کی دوسری تعریفوں کے ساتھ ساتھ ہم قرآن سے مأخوذ اس جملے ''تحرُّفُ لِقِتالٍ وتحیُّزُ إلیٰ فِئةٍ'' کو بھی جنگی تقیہ کی تعریف کہہ سکتے ہیں کہ جس کے مطابق تقیہ کے طور پر میدان جنگ سے عقب نشینی جائز قرار پاتی ہے۔

ج: روایات میں تقیہ کے مختلف عناوین

آئمہ طاہرینؑ سے منقول روایات و احادیث میں تقیہ کو مختلف عناوین اور ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے اور تقیہ کے مترادف کلمات لا کر اس حکم کا مفہوم روشن کرنے کی سعی کی گئی ہے تا کہ روزمرہ زندگی اور اجتماعی وسیاسی حالات میں تقیہ کی اہمیت کو اجاگر کیا جا سکے۔تقیہ کو مختلف ناموں سے بیان کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ مؤمنین کو زمانے کے نشیب و فراز میں اپنے دین وایمان اور جان و مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کے ساتھ ساتھ باطل قوتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے آمادہ کیا جائے اور مختلف حالات میں تقیہ کے مختلف انداز اپنانے اور اس دینی وشرعی رخصت سے استفادہ کرنے کا طریقہ بتایا جائے۔چنانچہ یہاں اسلامی متون میں منقول مختلف روایات سے ماخوذ کلمات وعناوین پیش کیئے جاتے ہیں کہ جو تقیہ کے مترادف ہیں اور تقیہ کی اہمیت اجاگر کرتے ہیں۔

ا۔جُنَّۃ (سپر و ڈھال)

﴿قال الصّادق علیہ السلام: ''کانَ أبی علیہ السلام یَقُولُ: وَأَیُّ شَیْئٍ أَقَرُّ لِعَینِی مِنَ التَّقِیَّةِ، أَنَّ التَّقِیَّةَ جُنَّةُ المُؤمِنِ﴾ (۱۷)

امام صادق علیہ السلام اپنے والد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ''کوئی بھی

---

(۱۷) اصول کافی، ج ۲، ص ۲۲۸، کتاب الایمان والکفر باب التقیہ، حدیث ۱۴۔

چیز ''تقیہ'' کی مانند میری آنکھوں کو روشن نہیں کرتی، کیونکہ 'تقیہ' مؤمن کی ڈھال ہے''۔

آپؑ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿قال الصّادق علیه السلام: ''أَلتَّقِیَّةُ تُرسُ اللهِ بَینَهُ وبَینَ خَلقِهِ﴾ (۱۸)

''تقیہ، خداوند کی ڈھال ہے خدا اور اس کی مخلوق کے درمیان''۔ یعنی تقیہ مخلوق کو عذاب خدا اور آفات و بلایا سے محفوظ رکھتا ہے۔

۲۔ تُرس (جائے پناہ)

﴿قال الصادق علیه السلام: ''أَلتَقِیَّةُ تُرسُ المُؤمِنِ والتَقِیَّةُ حِرزُ المُؤمِنِ وَلاَاِیمانَ لِمَن لاتَقِیَّةَ لَهُ﴾ (۱۹)

''تقیہ مؤمن کیلئے 'ڈھال' ہے، تقیہ مؤمن کی محکم پناہ گاہ ہے۔ جو تقیہ نہیں کرتا وہ ایمان نہیں رکھتا''۔

۳۔ سَدِّ محکم

﴿عن أبی عَبدِاللهِ علیه السلام قَال: ''اَن تَجعَل بَینَنَاوبینَهُم سَدًّا...... (۲۰) قال: هُوالتَقِیَّةُ﴾ (۲۱)

''امام صادق علیہ السلام سے کلمہ ''سَدًّا'' کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: آیہ شریفہ میں ''سَدًّا'' سے مراد ''تقیہ'' ہے۔

---

(۱۸) اصول کافی، ج۲، ص۲۲۶۔

(۱۹) وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص۲۰۵، باب ۲۴، حدیث ۷۔

(۲۰) سورۂ کہف، آیت ۹۴۔

(۲۱) وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص۲۱۳، کتاب امر و نہی، باب ۲۴، حدیث ۳۳۔

۴۔رَدم (قلعہ وسد)

﴿عَن المُفَضِّل قال:"سَألتُ الصَّادِقَ علیه السلام عَن قَولِهِ تعالیٰ:".....أجعَل بَینَکُم وَبَینَهُم رَدمًا(۲۲)قال التَقِیَّةُ.....﴾(۲۳)

''مفضل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے کلمہ ''رَدم'' کے بارے میں پوچھا کہ جو آیہ کریمہ میں آیا ہے، آپؑ نے فرمایا: اس سے مراد ''تقیہ'' ہے۔''

۵۔خَبَاء (مخفی چیز)

﴿عَن أبی عبدالله علیه السلام قال:".....وَاللهِ مَا عُبِدَ اللهُ بِشَئیٍ أَحَبَّ إِلَیهِ مِنَ الخَبَاءِ، قُلتُ: وَمَا الخَباءُ؟ قَالَ: التَقِیَّة﴾(۲۴)

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم! خداوند کی عبادت ایسی چیز سے نہیں کی گئی کہ جو اس کے نزدیک 'خباء' سے زیادہ پسندیدہ ہو، راوی نے پوچھا: 'خبا' کیا ہے؟ تو امامؑ نے فرمایا: 'خبا' سے مراد تقیہ ہے''۔ یعنی خداوند خباء کی (مخفی و پنہان) صورت میں عبادت کو پسند کرتا ہے اور وہ تقیہ کی صورت ہے۔

۶۔حِجاب (عمل کو پوشیدہ رکھنا)

﴿عَن أبی عبدالله علیه السلام قال:"أِتَّقُوا عَلیٰ دِینِکُم وَأُحجُبُوهُ بالتَّقِیَّةِ﴾(۲۵)

---

(۲۲) سورۂ کہف، آیت ۹۵۔

(۲۳) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۱۳، کتاب امر و نہی، باب ۲۴، حدیث ۳۴۔

(۲۴) اصول کافی، ج ۲ ص ۲۲۸، باب التقیہ، حدیث ۱۱۔

(۲۵) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۰۵، کتاب امر و نہی، باب ۲۴، حدیث ۸۔

''اپنے دین اور ایمان کی محافظت کرو اور اسے تقیہ کے حجاب سے پوشیدہ رکھو''۔

۷۔ حِصنٌ حَصِین (پناہ گاہ اور قلعہ)

﴿قال الصَّادِق علیه السلام: اِذَا عَمِلتَ بِالتَقِیّةِ لَم یَقدِروا لَکَ عَلٰی حِیلَةٍ وَهُوَ حِصنُ الحَصِینِ وَ.....﴾(۲۶)

''حضرت امام صادقؑ نے فرمایا: اگر تم نے تقیہ پر عمل کیا تو یہ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان ایک مضبوط قلعہ و سدّ بن جائے گا اور وہ اس کو کسی بھی طرح توڑ نہیں سکیں گے۔''

۸۔ مُدَارَاۃ: (رعایت و آشتی)

﴿قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّی اللهُ علیه و آلہٖ وسلم: ''أِنَّ الانبِیَاءَ أِنَّمَا فَضَّلَهُمُ اللهُ عَلٰی خَلقِهِ بِشِدَّةِ مُدَارَاتِهِم لِأَعدَاءِ دِینِ اللهِ وَحُسنِ تَقِیَّتِهِم لِأَجلِ أِخوَانِهِم فِی اللهِ﴾(۲۷)

رسول خداؐ نے فرمایا: ''بتحقیق خداوند متعال نے انبیائے کرام کو اپنی مخلوق پر فقط اس لیے برتری عطا فرمائی ہے کہ وہ دشمنان دین کے ساتھ انتہائی مدارا کرتے ہیں اور راہ خدا میں اپنے (دینی) بھائیوں کی خاطر، بہتر انداز میں تقیہ کی رعایت کرتے ہیں''۔

البتہ مدارا اور تقیہ میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ ''مدارا'' قدرت وقوت کے وقت کیا جاتا ہے جبکہ تقیہ ضعف اور خوف کے موقع پر کیا جاتا ہے۔لہذا بزرگان دین اور اہل بیت علیہم السلام کا تقیہ

---

(۲۶) ایضاً، حدیث ۳۴۔

(۲۷) بحارالانوار، ج ۷۵، ص ۴۰۱۔

درحقیقت ''مدارا'' ہی تھا چونکہ وہ غیبی اور الٰہی قدرت وطاقت سے لیس تھے اور دشمن پر غلبہ پانا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن وہ مدارا کرتے تھے تا کہ ان کی ہدایت کا فریضہ انجام دیں۔

۹۔مُجامَلَةَ (اہل باطل کے ساتھ خوشرفتاری)

﴿عَن أبی عَبداللهعلیه السلام قال: ''وَعَلَیکُم بِمُجامَلَةِ أَهلِ البَاطِلِ﴾ (۲۸)

حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تمہارے لیے ضروری ہے کہ اہل باطل کے ساتھ خوش رفتاری وخوش روئی کے ساتھ پیش آؤ.....''

یعنی اہل باطل کے ساتھ ''مجاملة'' بھی ایک قسم کا تقیہ ہے تا کہ ان کے ساتھ خوش رفتاری کر کے انھیں حق کی طرف مائل کیا جاسکے یا ان کے شر سے محفوظ رہا جاسکے۔

۱۰۔مخفی عبادت

﴿عن المُعلَّی ابنِ خَنَیس قال: ''قال لِی أَبُو عَبداللهعلیه السلام.....یا مُعَلَّی أَنَّ اللهَ یُحِبُّ أَن یُعبَدَ فِی السِّرِّ کَمایُحِبُّ أن یُعبَدَفِی العَلانِیَةِ وَالمُذِیعُ لِأَمرِنا کَالجاهِدِلَهُ﴾ (۲۹)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''اے معلی! جس طرح خداوند پسند کرتا ہے کہ اس کی علانیہ عبادت کی جائے اسی طرح وہ پسند کرتا ہے کہ اس کی مخفی عبادت کی جائے۔ جو شخص ہمارے حکم کو نظر انداز کرے (اور تقیہ پر عمل نہ کرے) تو گویا اس نے دین کا انکار کر دیا ہے''۔

---

(۲۸) وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص۲۰۷، کتاب امر ونہی، باب۲۴، حدیث۱۴

(۲۹) ایضاً، حدیث۲۴۔

۱۱۔ نُوَمہ

﴿قَال علی علیہ السلام: ''أِنَّ بَعدِی فِتناًمُظلِمَةًعَمیاءً مُتَشَکِّلَةً لاٰیَبقٰی فِیھٰااِلّاٰالنُّوَمَةُ قِیلَ: وَمَاالنُّوَمَةُیااَمِیرَالمُؤمِنِینَ؟قاٰلَ اَلَّذِی لاٰیَدرِی النَّاسُ مٰافِی نَفسِہِ﴾(۳۰)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے بعد انتہائی تاریک اور شک میں ڈالنے والے فتنے اٹھیں گے کہ جن میں سوائے ''نُوَمہ'' کے اور کوئی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔ پوچھا گیا ''نومہ'' سے کیامراد ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ایسا شخص کہ جس کے بارے میں لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ اس کے دل میں کیاہے''۔

۱۲۔ جہاد

﴿قال الصادق علیہ السلام: ''والمُؤمِنُ مُجاھِدٌ،لِأَنَّہُ یُجاھِدُ أَعداٰءِ اللّٰہِ عَزَّوَجَل فِی دَولَةِ الباٰطِلِ بِاالتَّقِیَّةِ،وفِی دُولَةِ الحَقِ بِالسَّیفِ﴾(۳۱)

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مؤمن مجاہد ہے کیونکہ وہ باطل حکومت کے دوران دشمنان خداوندمتعال کے خلاف تقیہ کے ذریعے جہاد کرتا ہے اور حکومت حق کے دوران تلوار کے ذریعے جہاد کرتا ہے''۔ یعنی تقیہ ایک قسم کا جہاد ہے۔

---

(۳۰) معانی الاخبار، ص ۱۶۶۔ و بحارالانوار، ج ۲۷، ص ۳۹۷۔

(۳۱) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۰۹، کتاب امرونہی، باب ۲۴، حدیث ۲۰۔

دوسری فصل:

فقہ امامیہ میں تقیہ کی مشروعیت

دین اسلام میں تقیہ کی مشروعیت وجواز کے بارے میں فراوان ادلہ وشواھد موجود ہیں اور تقیہ کی مشروعیت کا قانون اسلام کے اوائل ہی میں (عمار یاسر کے واقعہ اور انکے وا لدین کی شھادت پر نزول وحی کے ساتھ ہی) تصویب ہوگیا تھا لیکن اسلامی مذاہب میں فقط مذہب شیعہ امامیہ ہی اس دینی، عقلی اور فطری حکم پر کاربند نظر آتا ہے۔ دوسرے مذاہب اسلامی جواز تقیہ کے قائل ہونے کے باجود بعض سیاسی وغیر سیاسی وجوہات کی بناء پر تقیہ کی قانونی وشرعی حیثیت کے بارے میں خاموش نظر آتے ہیں یا اسے مذہب امامیہ کے خلاف طعن تشنیع کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

شیعہ علماوفقہا نے تقیہ کی قانونی حیثیت کو خاص اہمیت کی نظر سے دیکھا ہے اور اسکے بارے میں فقہ میں خصوصی ابواب کے تحت بحث کی ہے۔ فقہ امامیہ میں عموماً تقیہ کی بحث امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ملحقات میں شمار ہوتی ہے۔ لہذا امر ونہی کی بحث کے دوران تقیہ کی بحث بھی کی جاتی ہے۔ اسی طرح شیعہ جوامع روائی میں بھی تقیہ کا باب، کتاب امر ونہی کے ذیل میں کھولا گیا ہے اور تقیہ سے مربوط احادیث وروایات اس میں درج ہیں۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیشِ نظر فقہائے امامیہ نے تقیہ کے بارے میں مستقل رسالے بھی تالیف کیے ہیں۔ جن میں سے شیخ اعظم جناب شیخ انصاری اور حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہما کا ''رسالة فی التقیة'' کافی اہمیت کا حامل ہے۔ ذیل میں فقہ امامیہ میں تقیہ کے جواز اور مشروعیت کے بارے میں مختلف عناوین کے تحت انتہائی اختصار کے ساتھ چند مطالب پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) ادلہ تقیہ

علماء نے تقیہ کی مشروعیت کے بارے میں قرآن، سنت، عقل اور اجماع کو بطور ادلہ پیش کیا ہے۔ ذیل میں ان چاروں ادلہ کو اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

الف: قرآن کریم

قرآن کریم میں ہمیں تقیہ کی مشروعیت پر دو قسم کی آیات ملتی ہیں جن میں سے پہلی قسم ان آیات کی ہے کہ جو بالخصوص حکم تقیہ پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً آیات تقیہ، آیہ مؤمن آل فرعون وغیرہ، اہل بیت اطہارؑ سے منقول تفسیری احادیث میں ان آیات سے تقیہ کا حکم اخذ کیا گیا ہے۔ دوسری قسم ان آیات کی ہے کہ جن سے ہم وحدت ملاک کے ذریعے تقیہ کا جواز اخذ کر سکتے ہیں۔ مثلاً آیات اکراہ، آیات اضطرار اور دین میں عسر و حرج کی آیات۔

آیات کی پہلی قسم:

۱۔﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْکَافِرِینَ اَوْلِیَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِینَ وَمَن یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِی شَیْءٍ اِلَّا اَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰاةً وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَهُ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیرُ﴾(۱)

''مؤمنین کو نہیں چاہیے کہ وہ مؤمن افراد کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست و سرپرست بنا لیں۔ اور جو ایسا کرے گا اسے کسی چیز میں خدا کے ساتھ واسطہ نہ رہے گا۔ سوائے اس کے کہ تم ان (کے شر) سے ڈر

---

(۱) سورہ آل عمران آیت ۲۸۔

کر کچھ بچاؤ کر لو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور تمہاری بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔"

اس آیت کی تفسیر میں تمام (شیعہ سنی) مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت تقیہ کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔(۲) شیعہ مفسرین میں سے عیاشی لکھتے ہیں: حضرت جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: جو شخص تقیہ کا منکر ہے وہ ایماندار نہیں۔ اور فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إلّا اَن تَتَّقُوا مِنهُم تُقٰيةً" (۳)

صاحب تفسیر صافی نے احتجاج طبرسی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

جناب امیر المؤمنین علیہ علیہ السلام نے فرمایا: خداوند تعالیٰ تمہیں اپنے دین میں تقیہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے: "**لا يتخذ المؤمنين الكفرين اولياء** .....الخ" پھر فرمایا: خبردار! خبردار ایسا نہ کرنا کہ تم تقیہ کو چھوڑ دو جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں ڈالو۔ کیونکہ تقیہ کا چھوڑنا تمہارے اور تمہارے بھائیوں کا خون بہانے والا، تمہاری اور ان کی نعمتوں کا زائل کرنے والا اور ان کو دشمنان خدا کے ہاتھ سے ذلت پہنچانے والا ہے۔ حالانکہ تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے بھائیوں کی عزت کرو"۔ (۴)

شیخ طوسیؒ اس آیت کی تفسیر کے دوران جملہ "**ومن يفعل ذلک فليس من اللهفی شئی الاان تتقوا منهم تُقٰاةً**" کے بارے میں لکھتے ہیں: "جو بھی کفار کو بعنوان ولی (سرپرست) منتخب کرے وہ خداوند کے صالح دوستوں (و بندوں) میں سے نہیں اور خداوند اس سے بیزار ہے مگر یہ کہ وہ تقیہ

---

(۲) مذکورہ آیت کی تفسیر میں اہل سنت مفسرین کے اقوال جداگانہ فصل میں نقل کئے جائیں گے۔

(۳) تفسیر عیاشی، ج۱، ص۱۶۶۔

(۴) تفسیر صافی، ج ۲، ص۲۷۔

کرے"۔ پھر شیخ لکھتے ہیں:

"پس خوف و ڈر کی خاطر، دل میں مخفی چیز کے برخلاف زبان سے اظہار کرنے کا نام تقیہ ہے۔ البتہ اس شرط کے ساتھ کہ جو کچھ دل میں مخفی ہے وہ حق ہو، اگر باطل ہوگا تو یہ تقیہ نہیں، نفاق ہوگا"۔ (۵)

علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جب جان کا خوف ہو تو دین میں تقیہ کرنا جائز ہے اور ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ضرورت کے وقت تقیہ ہر حالت میں جائز ہے اور کبھی یہ واجب ہو جاتا ہے۔ الخ" (۶)

شہید اول نے بھی "القواعد والفوائد" میں تقیہ کے جواز پر اسی آیت سے استفادہ کیا ہے۔ (۷)

علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں:

"جو کچھ آئمہ اہل بیت (ع) سے نقل ہوا ہے اس کے مطابق یہ آیت (واضح طور پر) تقیہ کے جواز پر دلالت کر رہی ہے"۔ (۸)

پس اس آیت میں خداوند متعال نے پہلے مؤمنین کو کفار و مشرکین کے ساتھ دوستی کرنے اور انہیں اپنا سرپرست بنانے سے منع کیا ہے اور پھر بطور استثناء، ڈر و خوف کی حالت میں تقیہ کرتے ہوئے کفار سے تعلقات رکھنے کی رخصت دی گئی ہے۔

---

(۵) تفسیر التبیان، ج ۲، ص ۴۳۳، ۴۳۵۔

(۶) مجمع البیان، ج ۲، ص ۷۳۰۔

(۷) القواعد والفوائد، ج ۲، ص ۱۵۵۔

(۸) المیزان، ج ۳، ص ۱۵۳۔

۲۔﴿مَن کَفَرَ بِاللّٰہِ مِن بَعدِ اِیمَانِہٖ اِلاَّ مَن اُکرِہَ وَقَلبُہٗ مُطمَئِنٌّ بِالاِیمَانِ وَلٰکِن مَّن شَرَحَ بِالکُفرِ صَدرًا فَعَلَیھِم غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَھُم عَذَابٌ عَظِیمٌ﴾(۹)

''جو کوئی اپنا ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے سوائے اس کے جس پر جبر کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو لیکن جس نے کفر پر سینہ کھول دیا تو ان پر اللہ تعالیٰ کا قہر ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے''۔

شان نزول:

تمام تفاسیر کے مطابق یہ آیت حضرت عمار بن یاسر کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ جب قریش نے حضرت عمار بن یاسرؓ اور انکے والدین یاسرؓ اور سمیہ ؓ کو مرتد ہو جانے پر مجبور کیا تو ان کے ماں باپ نے کفر اختیار کرنے سے صاف طور پر انکار کر دیا تو انھیں دردناک قسم کی اذیتیں دیکر شہید کر دیا گیا۔ یہ دونوں اسلام میں پہلے شہید ہیں۔ حضرت عمارؓ نے مجبوراً وہ الفاظ زبان پر جاری کر دیے کہ جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ کسی نے اطلاع دی کہ یا رسول اللہؐ: عمارؓ تو کافر ہو گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا، عمار ؓ تو سر سے پاؤں تک ایمان سے مملو ہے اور ان کے گوشت و پوست میں ایمان مخلوط ہے۔

حضرت عمار یاسرؓ نے کفار سے رہائی پائی تو فوراً روتے ہوئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے ان کے آنسو پونچھ دیئے اور فرمایا: ''اے عمارؓ! تیرے دل کی حالت کیسی تھی؟'' عمارؓ نے عرض کیا:

---

(۹) سورہ النحل آیت ۱۰۶۔

''میرا دل ایمان سے مطمئن تھا''۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر پھر وہ لوگ (کفار) تیری طرف آئیں اور تجھے تکلیف دیں تو پھر وہی کہہ دینا جو پہلے کہہ چکے ہو''۔ پھر خداوند متعال کی جانب سے عمارؓ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱۰) اور خداوند متعال نے ان لوگوں کے لئے عذاب عظیم کی وعید سنائی کہ جو خدا پر ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کو قبول کر لیتے ہیں اور اسلام سے منہ موڑ لیتے ہیں ۔ پھر خداوند نے اس حکم سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا کہ جن کا دل ایمان سے مطمئن ہوتا ہے لیکن مجبوری کی حالت میں محض زبان سے کفر کا اظہار کر دیتے ہیں۔

شان نزول کے مطابق اس آیت میں موجود استثناء، صراحت کے ساتھ تقیہ کے جواز پر دلالت کر رہا ہے۔ لہذا اس آیت کے بعد تقیہ کے جواز میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔

۳۔ ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤمِنٌ مِّن الِ فِرعَونَ یَکتُمُ اِیمَانَہ' اَتَقتُلُونَ رَجُلًا اَن یَّقُولَ رَبِّیَ اللّٰہُ وَقَد جَآءَ کُم بِالبَیِّنٰتِ مِن رَّبِّکُم وَاِن یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیہِ کَذِبُہ' وَاِن یَّکُ صَادِقًا یُّصِبکُم بَعضُ الَّذِی یَعِدُکُم اِنَّ اللّٰہَ لَایَھدِی مَن ھُوَمُسرِفٌ کَذَّابٌ﴾ (۱۱)

''اور فرعون کے خاندان سے ایک مؤمن مرد نے کہا، جو اپنا ایمان چھپاتا تھا، کہا تم اس مرد کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے

---

(۱۰) تفسیر مجمع البیان، ج ۶، ص ۵۹۸ اور وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۲۷، باب ۲۹، کتاب امر و نہی اور اصول کافی، جلد ۲، ص ۲۲۷، کتاب ایمان و کفر، باب التقیہ اور المیزان، ج ۱۲، ص ۳۵۸

(۱۱) سورہ مؤمن آیت ۲۸۔

پروردگار سے روشن دلیلیں لیکر آیا ہے۔وہ اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر رہا اور اگر وہ سچا ہے تو جس چیز کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اس کا کچھ حصہ ضرور تم پر پڑے گا۔یقیناً اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والے بہت جھوٹے کو منزل و مقصود تک نہیں پہنچاتا"۔

اس آیت میں آل فرعون کے ایک مؤمن شخص کے ایمان چھپانے (تقیہ اختیار کرنے) کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جو نبی خدا (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی حمایت کے لئے بول رہا تھا۔اس مؤمن مرد نے سالہا سال سے اپنے ایمان کو چھپائے رکھا یہاں تک کہ ایک مناسب اور حساس موقع پر اپنے ایمان سے پردہ اٹھایا اور تقیہ کے ذریعے اپنی ذخیرہ شدہ مقام وحیثیت کو نبی خدا کی حمایت کے لئے استعمال کیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توحید کی دعوت دی تو فرعون نے حضرت موسیٰ ؑ کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کرلیا۔اس وقت (فرعون کے اپنے درباریوں میں سے) ایک مرد مجاہد اٹھ کھڑا ہوا اور قوی منطق وادلہ کے ساتھ فرعون کو قتل موسیٰ سے منصرف کرڈالا۔قرآن مجید اس آیہ شریفہ میں مؤمن آل فرعون کے کتمان عقیدہ کو ایک مثبت عمل قرار دیتا ہے کیونکہ ایک الٰہی نمائندے اور نبی خدا کی جان کو خطرے سے بچانا، ایمان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔آیا کوئی شخص اس مرد مجاہد کے کتمان عقیدہ کو خلاف عقل کہہ سکتا ہے؟ آئمہ اطہارؑ سے منقول روایات میں مؤمن آل فرعون، کے کتمان عقیدہ کو تقیہ کے جواز کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

"تقیہ میرے دین اور میرے آباؤ اجداد کے دین کا ایک حصہ ہے اور جو تقیہ کا منکر ہے اس کا کوئی دین نہیں"۔نیز یہ بھی فرمایا: "تقیہ زمین میں اللہ کی ڈھال ہے۔اس لئے کہ اگر مؤمن آل فرعون نے

اس کا یعنی اسلام کا اظہار کر دیا ہوتا تو وہ ضرور قتل کر دیا جاتا"۔ (۱۲)

نکتہ: اہل بیت اطہارؑ سے منقول روایات میں تقیہ کے بیان میں حضرت علی علیہ السلام کے والد گرامی حضرت ابوطالب علیہ السلام کے کتمان ایمان کو "مؤمن آل فرعون" کے کتمان ایمان سے تشبیہ دی گئی ہے۔ چنانچہ امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ أَبَاطالب كَمُؤمِن آلِ فرعون يكتم إيمَانَهُ﴾ (۱۳)

"حضرت ابو طالبؑ، اپنا ایمان و عقیدہ چھپانے میں مؤمن آل فرعون کی مانند تھے"۔

آیات کی دوسری قسم

یہاں وہ آیات مراد ہیں کہ جو اپنے ملاک ومعیار کی وحدت کے سبب تقیہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان آیات میں چند ایک یہ ہیں۔

(الف) دین میں نفی حرج کی آیات

۱۔ ﴿وَمَاجَعَلَ عَلَيكُم فِي الدِّينِ مِن حَرَج﴾ (۱۴)

"اور دین کے بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی (گئی)"۔

۲۔ ﴿ مَايُرِيدُاللهُ لِيَجعَلَ عَلَيكُم مِّن حَرَجٍ وَلكِن يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُم وَلِيُتِمَّ نِعمَتَهُ عَلَيكُم لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ﴾ (۱۵)

---

(۱۲) مجمع البیان، ج ۸، ص۸۱۱۔

(۱۳) وسائل الشیعہ، ج۱۶، ص ۲۳۲، باب۲۹، (کتاب الامر والنہی) حدیث۱۹۔

(۱۴) سورہ حج آیت ۷۸۔ (۱۵) سورہ مائدہ آیت ۶۔

''اللہ تعالی نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی کرے لیکن وہ ارادہ کرتا ہے کہ تم کو پاک کردے اور اپنی نعمتیں پوری کرے تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ''۔

۳۔﴿ يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ اليُسرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ العُسرَ ﴾(۱۶)

''اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا''۔

علماء نے ان آیات سے ایک کلی قاعدہ استنباط کیا ہے جس کا نام قاعدہ حرج ہے یعنی دین میں عسر وحرج (سختی وتنگی) نہیں۔عسر وحرج کے موارد میں سے ایک مورد ''تقیہ کا عدم جواز'' ہے۔پس اگر دین میں حرج کی نفی ہے تو تقیہ کے عدم جواز کی بھی نفی ہے۔بنابرایں جن موارد میں سے انسان عسر وحرج سے دوچار ہو جاتا ہے وہاں تقیہ کرنا جائز ہے۔(۱۷)

(ب) آیات اضطرار

ا۔﴿ وَمَا لَكُم اَلَّا تَاكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسمُ اللهِ عَلَيهِ وَقَد فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيكُم اِلَّا مَا اضطُرِرتُم اِلَيهِ ﴾(۱۸)

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس (ذبیحہ) میں سے نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالی کے نام کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ جو کچھ تم پر حرام کیا ہے اس نے تمہارے لیے تفصیل سے بیان کر دیا ہے سوائے اس کے کہ تم اس (حرام) کی طرف مضطر ہو جاؤ''۔

---

(۱۶) سورہ بقرہ آیت ۱۸۵۔

(۱۷) اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسیؒ ،ج ا،ص۳۰۴ (مقال تقیہ)۔

(۱۸) سورہ انعام آیت ۱۱۹۔

۲۔﴿ فَمَنِ اضطُرَّ غَيرَبَاغٍ وَّلَاعَادٍفَاِنَّ رَبَّکَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾(۱۹)

''پس جوشخص ا ضطراری حالت میں ہو نہ بغاوت کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا،تو یقیناً تمہارا پروردگار بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔

خداوند متعال نے متعدد آیات میں اکل میتہ، گوشت خنزیر اور دوسری بہت سی چیزوں کی حرمت بیان کی ہے۔لیکن اس حکم میں اضطراری حالت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تلف ہوجانے کا خوف ہو تو اس صورت میں انسان مضطر ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے حرمت کا حکم اٹھ جاتا ہے اور حرام کی گئی اشیاء، مباح ہو جاتی ہیں۔

تقیہ کے موارد میں سے بھی بہت سے ایسے موارد پیش آتے ہیں جہاں نفس و جان کے تلف وضائع ہو جانے کا خوف وخطرہ ہوتا ہے۔پس جس طرح اضطرار اور تلف نفس کا خوف مذکورہ آیات کے مطابق حرمت کو مباح میں تبدیل کر دیتا ہے اسی طرح تقیہ میں بھی ہے یعنی اضطرار کی صورت میں تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔(۲۰)

ب: سنت

تقیہ کے جواز کی دوسری بڑی دلیل سنت پیغمبرؐ ہے۔اس سے پہلے کہ ہم اس دلیل کی وضاحت کے لیے اسلامی متون سے شواھد پیش کریں، اصطلاحِ سنت کی وضاحت کرنا ضروری ہے۔اہل سنت کے برعکس شیعہ امامیہ کے نزدیک سنت سے مراد: قول وفعل اور تقریرِ معصومؑ ہے۔

---

(۱۹) سورہ انعام آیت ۱۴۵۔نیز ملاحظہ فرمایئے سورہ بقرہ آیت ۱۷۳، سورہ مائدہ آیت ۳،

(۲۰) اندیشہ ہای کلامی شیخ طوسیؒ، ج ۱، ص ۳۰۴ (مقالہ تقیہ)۔

جبکہ اہل سنت فقط پیغمبرؐ کے قول وفعل اور تقریر کو سنت کہتے ہیں۔اہل تشیع کا آئمہ معصومینؑ کے قول وفعل اور تقریر کے سنت ہونے پر استدلال حدیث ثقلین (۲۱) ہے کہ جس میں خود پیغمبر اسلامؐ نے اہل بیت اطہارؑ کو قرآن کریم کا ہم پلہ قرار دیکر لوگوں کے لیے مرجع بنادیا ہے۔اس کے علاوہ آیہ تطہیر (۲۲) بھی ان ذوات مقدسہ کے خطاو گناہ سے معصوم ہونے پر دلالت کرتی ہے۔بنابرایں یہ ذوات، جو کچھ حکم کے عنوان سے لوگوں کو ابلاغ فرمائیں وہ حکم خدا ورسولؐ ہے۔جیسا کہ خود آئمہ اطہارؑ سے منقول ہے کہ: ہماری حدیث ہمارے جد بزرگوار رسول خداؐ کی حدیث ہے (۲۳) لہذا سنت کے باب میں ہمارے نزدیک حضرت رسول خداؐ کے بعد آئمہ اطہارؑ کا قول وفعل بھی بعنوان حجت ودلیل فقہی قابل قبول ہوگا۔پس تقیہ کے جواز میں جہاں ہم رسول خداؐ کی سیرت وسنت سے شواہد پیش کریں گے وہاں آئمہ اطہارؑ کی احادیث بھی نقل کریں گے کہ جو سنت رسولؐ کی حکایت کنندہ ہیں۔جواز تقیہ کے بارے میں ہمیں مختلف عناوین سے احادیث وروایات ملتی ہیں ان احادیث کے متواتر ہونے میں شک نہیں۔ذیل میں تقیہ پر دلالت کرنے والی روایات واحادیث کو چند عناوین کے تحت پیش کیا جاتا ہے، تاکہ سنت کی نظر میں جواز تقیہ کی بخوبی وضاحت کی جاسکے۔ البتہ ان میں چند احادیث کو فصل اول میں ''تقیہ کے مختلف عناوین'' کے تحت نقل کیا گیا ہے۔لہذا اختصار کے پیش نظر ان کو دوبارہ نقل نہیں کیا جائے گا۔

---

(۲۱) حدیث ثقلین کی سند کے لئے ملاحظہ فرمایئے کتاب عبقات الانوار از سید میر حامد حسین موسوی اور کتاب غایۃ المرام از سید ھاشم بحرانی۔

(۲۲) سورہ احزاب آیت ۳۳۔

(۲۳) اصول کافی، ج۱، ص ۲۴۲۔

۱۔ دین کے نو حصے

﴿عن أبی الأعجمی قال: "قال لی أبو عبدالله علیه السلام: یا أبا عمر إنَّ تسعة أعشار الدین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیة له......﴾(۲۴)

"حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اے عمر! (دین کے دس حصوں میں سے) نو حصے دین، تقیہ میں ہیں اور جس نے تقیہ نہیں کیا اس کا کوئی دین نہیں"۔

۲۔ دین خدا

﴿عن أبی بصیر قال، قال أبو عبدالله علیه السلام: "التقیة دین الله عز وجل، قلت: من دین الله؟ قال: فقال: إی والله من دین الله......﴾(۲۵)

"ابو بصیر سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: تقیہ خدائے عز وجل کا دین ہے میں نے (تعجب سے) عرض کی، اللہ کے دین میں سے ہے؟ آپؑ نے فرمایا: ہاں؛ خدا کی قسم! اللہ کے دین میں سے ہے"۔

۳۔ دین کا معیار

﴿عن أبا عثمان، عن الصادق علیه السلام أنه قال: "لا دین لمن لا تقیة له، ولا ایمان لمن لا ورع له﴾(۲۶) امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "جو تقیہ نہیں کرتا وہ دیندار نہیں اور جو

---

(۲۴) اصول کافی، ج ۲، ص ۲۲۵، کتاب ایمان والکفر، حدیث ۲۔

(۲۵) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، کتاب الأمر والنہی، باب ۲۴، حدیث ۱۹۔

(۲۶) ایضاً، حدیث ۲۳۔

ورع (تقوی) اختیار نہیں کرتا وہ ایماندار نہیں"۔

۴۔ تقیہ کا اثر

﴿عن حبیب بن بشر قال: قال أبو عبدالله علیه السلام: "سمعت أبی یقول: لا والله ما علیٰ وجه الأرض شئی أحب إلّی من التقیة، یاحبیب إنه من کانت له تقیة رفعه الله، یاحبیب من لم تکن له تقیة وضعه الله، یاحبیب إن الناس إنما هم فی هدنة فلو قد کان ذلک کان هذا﴾ (۲۷)

"حبیب بن بشر سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی کو فرماتے ہوئے سنا کہ: روئے زمین پر تقیہ سے زیادہ پسندیدہ کوئی چیز نہیں۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ (کا ہتھیار) ہو خداوند اسے رفعت (سربلندی) عطا فرماتا ہے۔ اے حبیب! جس کے پاس تقیہ نہ ہو خدا اسے نیچا دکھاتا ہے۔ اے حبیب! لوگ (زمانہ غیبت میں اہل باطل سے) صلح و دوستی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر وہ ہوگا تو یہ بھی ہوگا (یعنی اگر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ ظہور کریں اور اہل باطل کے خلاف جہاد کا حکم دیں تو ترک تقیہ واجب ہو جائے گا)۔

۵۔ دو بڑے فرائض

﴿الحسن بن العسکری علیهما السلام (فی تفسیره) فی قوله تعالیٰ: وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (۲۸) قال: "قضوا الفرائض کلها بعد التوحید واعتقاد النبوة والإمامة،

---

(۲۷) اصول کافی، ج۲، ص۲۲۵، کتاب ایمان وکفر، باب التقیۃ، حدیث۴۔

(۲۸) سورۂ بقرہ، آیت ۲۷۷۔

قال: وأعظمها فرضان: قضاء حقوق الإخوان فی الله، واستعمال التقیةمن أعداء الله عزوجل﴾(۲۹)

''خداوند متعال کے فرمان''وعملوا الصالحات''کی تفسیر میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: اس کا مطلب توحید اور نبوت و امامت پر اعتقاد کے تمام فرائض کا بجالانا ہے، لیکن سب سے بڑے دو فرائض ہیں: ا یک خدا کی خاطر دینی بھائیوں کے حقوق ادا کرنا ہے دوسرا دشمنان خدا سے بچنے کے لیے تقیہ پر عمل کرنا ہے''۔

۶۔تقیہ کے بغیر مؤمن

﴿قال: ''قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم: مثل مؤمن لاتقیة له کمثل جسد لارأس له﴾(۳۰)

تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: ''بغیر تقیہ کے مؤمن ایسے ہی ہے جیسے بغیر سر کے بدن''۔

۷۔مؤمن کا بہترین عمل

﴿ قال: وقال أمیر المؤمنین علیه السلام : التقیة من أفضل أعما ل المؤمن، یصون بهانفسه وإخوانه عن الفاجرین﴾(۳۱)

---

(۲۹)وسائل الشیعہ ، ج۱۶،ص۲۲۱، کتاب امرونہی، باب ۲۸، حدیث ۱۔

(۳۰)ایضاً، حدیث ۲۔

(۳۱)ایضاً، حدیث ۳۔

''امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: ''تقیہ مؤمن کے بہترین اعمال میں سے ہے جس کے ذریعے وہ اپنے نفس (جان) اور اپنے (دینی) بھائیوں کو ظالموں سے بچاتا ہے''۔

۸۔ناقابل بخشش گناہ

﴿قال: وقال علی بن الحسین علیه السلام: ''یغفر اللهللمؤمن کل ذنب ویطهره منه فی الدنیا والآخرة ماخلاذنبین: ترک التقیة وتضییع حقوق الإخوان﴾(۳۲) امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے جد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا: ''خداوند مؤمن کے ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اور اس کو دنیا و آخرت میں ہر گناہ کی آلودگی سے پاک کر دیتا ہے لیکن دو گناہوں کو نہیں بخشتا، ایک ترک تقیہ اور دوسرا اپنے (دینی) بھائیوں کے حقوق کو پائمال کرنا''۔

۹۔تقیہ کب تک

﴿ عن الرضاعلیه السلام قال: ''لادین لمن لاورع له، ولاإیمان لمن لاتقیة، وإن أکرمکم عندالله أعملکم بالتقیة، قیل: یابن رسول الله إلی متیٰ؟ قال: إلیٰ قیام القائم، فمن ترک التقیة قبل خروج قائمنا فلیس منا.....﴾(۳۳)

امام رضاعلیہ السلام نے فرمایا: ''جو پرہیز گاری اور ورع اختیار نہیں کرتا وہ دیندار نہیں، جو تقیہ نہیں

---

(۳۲) ایضاً، حدیث ۶۔

(۳۳) ایضاً، ص ۲۱۱، باب ۲۴، حدیث ۲۶۔

کرتا وہ ایماندار نہیں۔تم میں سے خداوند کے نزدیک سب سے زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ تقیہ پر عمل کرتا ہے۔عرض کیا گیا؛اے فرزند رسول ! تقیہ کب تک؟ آپؑ نے فرمایا: قائم عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے قیام تک،جو ہمارے قائم عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ظہور سے پہلے تقیہ ترک کردے وہ ہم سے نہیں۔"

۱۰۔حالت اضطرار میں تقیہ

﴿قال امام باقر علیه السلام: التقیة فی کل شئی یضطر إلیه ابن آدم فقد أحله الله له﴾ (۳۴)

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:"تقیہ ہر اس چیز میں ہے کہ جس میں انسان مضطر ہو جائے،خداوند متعال نے انسان کے لیے یہ چیز حلال کر دی ہے"۔

مزید روایات اور احادیث آئندہ فصلوں میں اپنے موضوعات کی مناسبت سے نقل کی جائیں گی۔

ج: عقل

عقل بھی بطور قطع حکم دیتی ہے کہ جہاں خطرہ ہو وہاں انسان کو چاہیئے کہ اپنی جان و مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے حتیٰ الامکان کوشش کرے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے چنانچہ قرآن نے بھی اس عقلی حکم کی تائید میں فرمایا: ﴿وَلاتُلقُوا بِأَیدِیکُم إِلیٰ التَّهلُکَة﴾ (۳۵)

"اپنے آپ کو،اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو"۔

---

(۳۴) ایضاً،ص ۲۱۵،باب ۲۵،حدیث ۲۔

(۳۵) سورۂ بقرہ،آیت ۱۹۵۔

تقیہ کے جواز اور لزوم پر عقلی دلیل کو علماء نے چند صورتوں میں پیش کیا ہے جن میں سے ایک کو ہم یہاں اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

شیخ طوسیؒ نے تقیہ کو ''خوف بر نفس'' کے عنوان سے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ ان کی طرف سے کی گئی تقیہ کی تعریف میں یہ استدلال گزر چکا ہے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط بیان کرتے ہوئے بھی انھوں نے لکھا ہے کہ: ''جان و مال کا خوف یا جو چیز اپنے لیے یا کسی دوسرے کے لیے موجب خطر و ہلاکت بنے، قبیح ہے لہذا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وجوب کو ساقط کر دیتی ہے''۔(۳۶)

دفع ضرر کے بارے میں وہ لکھتے ہیں: ''جان سے دفع ضرر، بحکم عقل واجب ہے اسی طرح اگر کوئی نجس غذا وغیرہ کھانے پر مضطر ہو جائے تو واجب ہے اسے کھائے''۔(۳۷)

پس شیخ کے ان بیانات سے استفادہ کرتے ہوئے ہم تقیہ کی عقلی دلیل کو دو برہانوں کی صورت میں پیش کر سکتے ہیں:

(الف) تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے جان و مال اور عزت و ناموس کا خطرہ و خوف ہوتا ہے۔ جبکہ جان و مال، عزت و آبرو کا خطرہ و خوف قبیح ہے چونکہ اس میں مفسدہ (فتنہ و ہلاکت) ہے۔ پس عدم تقیہ، قبیح اور تقیہ جائز و لازم ہے۔

(ب) تقیہ، ضرر و زیاں سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے اور ضرر و زیاں سے بچنا عقلاً واجب ہے۔

---

(۳۶) الاقتصاد فیما یتعلق بالاعتقاد، ص ۲۳۸، ۲۳۹۔

(۳۷) ایضاً

پس ضرر وزیاں سے بچنے کے لیے تقیہ کرنا بھی واجب ہے۔ یہاں ہر دو برہان، صغریٰ وکبریٰ کے لحاظ سے تام اور نا قابل مناقشہ ہیں کیونکہ قضیہ کے کبریٰ میں عقلاء کے درمیان کسی قسم کا نزاع نہیں (یعنی دفع ضرر مُحتمل عقلاً واجب) اور پھر یہ کہ عدم تقیہ میں ضرر کا احتمال ہے اور تقیہ ضرر سے بچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی کوئی شک وتردید نہیں کیونکہ ہر صاحب عقل، خطرے کے وقت فطری طور پر تقیہ کرتا ہے۔ پس ہر دو برہان تام ہیں اور نتیجہ بھی قطعی ہے۔ (۳۸)

عقلی برہان کے علاوہ، دنیا کے تمام عقلاء کی سیرت وروش بھی یہی ہے کیونکہ انسان طبیعی و غریزی طور پر بغیر کسی عقلی وشرعی دلیل کے خطرے کے وقت اپنا بچاؤ کرنے کے لیے تقیہ کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت کے آغاز میں مخفی طور پر قدم اٹھایا تھا اور پھر بنی ہاشم کو دعوت اسلام دینے کے بعد حکم الٰہی کے مطابق، آہستہ آہستہ اپنی دعوت کو علنی فرمایا۔ اسی طرح مسلمان بھی اوائل میں اپنے دین کو کفار سے پنہان رکھتے تھے یہاں تک کہ اسلام نے طاقت حاصل کر لی تو اس کے بعد مسئلہ برعکس ہو گیا اور کفار مکہ ومدینہ اپنا کفر چھپاتے ہوئے مسلمانوں کے سامنے اسلام کا اظہار کرنے لگے لیکن ان کا یہ عمل نفاق تھا جبکہ مسلمان کا یہ عمل تقیہ ہے کیونکہ مسلمان حق کو چھپاتا ہے اور کافر باطل کو۔

د: اجماع

تقیہ کی مشروعیت پر ایک دلیل اجماع ہے۔ البتہ یہاں اجماع سے مراد یہ نہیں کہ مسئلہ تقیہ کے بارے میں کوئی دوسری شرعی دلیل موجود نہیں۔ لہذا اجماع بعنوان دلیل شرعی کے تقیہ

---

(۳۸) اندیشہ ھای کلامی شیخ طوسی، ج ۱، ص ۲۹۶۔

پر دلالت کر رہا ہے۔ ہمارے پاس تقیہ کی مشروعیت قرآن وسنت سے ثابت ہے اور پھر عقل کی بداہت کے بعد جواز تقیہ میں کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ جس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔ البتہ فقہ امامیہ میں اجماع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں بلکہ اجماع فقط کاشف کی حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے ذریعے معصومؑ کا قول و رائے کشف ہوتی ہے۔ اگر اجماع کے ذریعے معصومؑ کا قول ورائے کشف نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ (۳۹) بنابرایں تقیہ کے باب میں اجماع سے مراد یہ ہے کہ قرآن وسنت سے تقیہ کے جواز ولزوم پر شیعہ فقہا وعلماء کے درمیان اتفاق نظر موجود ہے یعنی اجماع ہے، بلکہ تمام مسلمان جواز تقیہ کے قائل ہیں سوائے خوارج کے کہ جو تقیہ کو جائز نہیں جانتے۔ مگر خوارج کا عقیدہ صراحت قرآن کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہیں۔ امامیہ کے علاوہ دوسرے اسلامی مذاہب بالخصوص اہل سنت کی جواز تقیہ کے بارے میں آراء آئندہ صفحات میں نقل کی جائیں گی یہاں فقط موضوع کی مناسبت سے ایک قول نقل کیا جاتا ہے تا کہ واضح ہو جائے کہ تقیہ کا جواز نہ صرف شیعہ امامیہ کے نزدیک بلکہ تمام مسلمانوں کے نزدیک اجماعی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

ابن بطال نے ابن منذر کے بقول کہا ہے کہ: ''علماء کا اجماع اس بات پر ہے کہ اگر کوئی کفر پر اس طرح مجبور ہو جائے کہ اس کے قتل ہو جانے کا خوف ہو تو اس صورت میں اگر وہ کافر ہو جائے لیکن اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور قائم ہو تو اس کے کفر کا حکم نہیں ہوتا'' (۴۰)۔

پس تمام علمائے اسلام کے نزدیک تقیہ جائز ہے اور اس کے جواز کا یہ قول متفق علیہ ہے

---

(۳۹) اصول الفقہ (مظفر)، ج ۲، ص ۱۸۸ اور علم اصول الفقہ (مغنیہ) ص ۲۲۵۔

(۴۰) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، ج ۱۲، ص ۲۶۴

تیسری فصل:

حکم تقیہ کی فقہی حیثیت اور اقسام

سب سے پہلے فقہ میں حکم شرعی کی حیثیت سے تقیہ کے مقام کا تعین ضروری ہے۔ پھر انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں تقیہ کے کردار کا تعین بھی اس کو حکم تکلیفی کے لحاظ سے مختلف اقسام میں تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح تقیہ اپنی ذات و ماہیت اور علل و اسباب کے اعتبار سے بھی گوناں گوں صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ اس فصل میں ان سب مباحث کو ایک ایک کر کے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) تقیہ، حکم اوّلی یا حکم ثانوی

علم اصول فقہ میں احکام شرعیہ کو چند قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ منجملہ احکام کو احکام اولیہ اور احکام ثانویہ میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہاں ان احکام کی تفصیلی بحث مقصود نہیں ہے فقط موضوع کی مناسبت سے ان احکام کی طرف ایک اشارہ کرتے ہوئے یہ دیکھنا ہے کہ آیا تقیہ حکم اولیٰ ہے یا حکم ثانوی؟ جس کے لیے حکم اوّلیٰ و حکم ثانوی کی اصطلاحی معنی بیان کرنا ضروری ہے۔

حکم اوّلیٰ اور حکم ثانوی کی گوناں گوں تعریفیں کی گئی ہیں۔ یہاں پیچیدہ اصطلاحی تعریفوں سے بچتے ہوئے ہم سادہ الفاظ میں وہ تعریف نقل کرتے ہیں کہ جو فقہا کے درمیان مشہور ہے۔

حکم اوّلیٰ: ایسا حکم کہ جو افعال و ذوات کے عناوین اولیہ کے لحاظ سے ان پر حمل ہوتا ہے۔ جیسے صبح کی نماز کا واجب ہونا، شراب کا حرام ہونا وغیرہ۔

حکم ثانوی: ایسا حکم کہ جو کسی موضوع پر اضطرار، اکراہ اور دوسرے عارضی عناوین کو مدنظر رکھتے ہوئے حمل ہوتا ہے۔ جیسے ماہ رمضان المبارک میں بیمار کے لیے افطار کا جائز ہونا یا بیمار کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا جائز ہونا۔(۱) یاد رہے کہ اسے حکم ثانوی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ حکم اولیٰ کے طول میں واقع ہوتا ہے یعنی پہلے حکم اولیٰ ہے اگر اس پر عمل نہ کیا جا سکے تو حکم ثانوی ہے۔ احکام اولیہ وثانویہ کی ایک تعریف یہ بھی کی گئی ہے۔

احکام اولیہ:

ایسے قوانین کہ جو بعض عارضی واتفاقی حالات کو نظر میں رکھے بغیر کسی قید وشرط کے بغیر وضع کیئے گئے ہیں۔ مثلاً مردار کا گوشت کھانے کی حرمت کہ جس کا موضوع ہر مکلّف (عاقل وبالغ شخص) ہے۔

احکام ثانویہ:

ایسے قوانین کہ جو احکام اولیہ کے موضوعات کی غیر طبیعی یا عارضی حالت کو نظر میں رکھتے ہوئے وضع کیئے گئے ہیں۔ جیسے مردار کے گوشت کا اضطراری حالت میں جائز ہونا یا تقیہ کی حالت میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے اور خاک کے بغیر سجدہ کرنے کا واجب ہونا۔ تقیہ کی ادلہ سے پتا چلتا ہے کہ یہ احکام ثانویہ میں سے ہے۔ چونکہ تقیہ کی ادلہ خواہ وہ آیات تقیہ ہوں یا آیاتِ عسر وحرج یا آیات اکراہ ہوں یا آیات اضطرار یا احادیث وروایات سب کی سب حکم ثانوی کی طرف ناظر ہیں۔ لہذا تقیہ کو معروف ترین احکام ثانویہ میں سے شمار کیا گیا ہے۔

---

(۱) اصطلاحات الاصول، ص ۱۲۱۔

تقیہ اور دوسرے احکام ثانویہ میں ارتباط

گوکہ تقیہ خود حکم ثانوی ہے لیکن تقیہ کا بعض دوسرے احکام ثانویہ کے ساتھ گہرا ربط موجود ہے۔(۲) چونکہ بہت سے موارد میں تقیہ کے جواز کا ملاک ومعیار اضطرار ہے۔جیسا کہ روایت میں ہے:التقية فی كل شيء يضطر إليه ابن آدم (۳) ''تقیہ ہراس چیز میں ہے کہ جس میں انسان مضطر ہوجائے''۔اسی طرح بعض مقامات پر تقیہ عسروحرج کی وجہ سے جائز ہوجاتا ہے۔بعض موارد میں ''اکراہ'' کوبھی تقیہ کے جواز کا باعث قرار دیا جاتا ہے۔جیسا کہ تقیہ کی قرآنی ادلہ میں سے سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ میں تقیہ کی علت اکراہ کوقرار دیا گیا ہے۔

(۲) تقیہ اور اس کے احکام پنجگانہ

فقہائے امامیہ نے تقیہ کے احکام تکلیفی بیان کرتے ہوئے اسے بھی دوسرے افعال کی مانند احکام خمسہ میں تقسیم کیا ہے چنانچہ شہید اولؒ اور استاد الفقہاء شیخ انصاریؒ نے تقیہ کے احکام خمسہ اس ترتیب سے بیان فرمائے ہیں:

۱۔ واجب تقیہ: جب دفع ضرر بالفعل واجب ہو(۴) اور انسان جان لے کہ تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے اسے یا کسی مؤمن کوضرر پہنچے گا تو تقیہ واجب ہوگا(۵)۔انسان کسی ایسے ماحول میں زندگی

---

(۲) حکم ثانوی در تشریع اسلامی،ص۲۰۶۔

(۳) وسائل الشیعہ،ج۱۶،ص۲۱۴،باب امر بالمعروف ونہی عن المنکر،باب ۲۵،ح۲۔

(۴) کتاب المکاسب،ج۳(رسالۃ فی التقیہ)،ص۱۲۹۔

(۵) القواعد والفواعد،ج۲،ص

گزار رہا ہو کہ جہاں اظہار اسلام کرنے یا اہل بیت اطہارؑ سے اظہار مودت کرنے سے جان کا خطرہ ہو یا کسی حاکم جائر کے سامنے کوئی بات کہنے سے کسی مؤمن کی جان خطرے میں پڑ جائے تو یہاں تقیہ اور کتمان حق واجب ہو جاتا ہے۔

۲۔ مستحب تقیہ: جب تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے طرف مقابل کی جانب سے تدریجاً ضرر پہنچنے کا احتمال ہو تو تقیہ مستحب ہے۔ دوسرے الفاظ میں اپنے آپ کو خطرے سے دور رکھنے کے لیے تقیہ کرنا مستحب ہے۔ مثلاً مخالفین کے ساتھ ان کی اکثریت کے علاقے میں زندگی گزارنے کے باوجود مدارانہ کرنا، تدریجی طور پر ان میں نفرت پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے جس سے مستقبل میں خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہاں تقیہ کرنا مستحب ہوگا یا کسی مستحب امر میں تقیہ کیا جائے جیسے تسبیحات حضرت زہراؑ کی ترتیب میں تقیہ کرنا یا اذان کی بعض فصول (مثلاً حی علی خیر العمل) میں تقیہ کرنا وغیرہ (۶)۔

۳۔ مکروہ تقیہ: جہاں تقیہ نہ کرنا اور ضرر برداشت کرنا، تقیہ کرنے سے بہتر ہو۔ مثلاً کسی قوم کے رئیس و سردار کے تقیہ کرنے کی وجہ سے اس کے پیروکاروں میں شکوک و شبہات پیدا ہونے لگیں اور وہ گمان کریں کہ حکم واقعی ویسے ہے جیسے اس نے انجام دیا ہے۔ تو یہاں لوگوں کو گمراہی و سرگردانی سے بچانے کے لئے تقیہ نہ کرنا بہتر ہے۔

۴۔ حرام تقیہ: جب تقیہ کرنے کی وجہ سے کسی مؤمن کا خون بہے جانے کا اندیشہ ہو تو وہاں تقیہ حرام ہے (۷) البتہ حرام تقیہ کی تفصیل ''مستثنیات تقیہ'' میں پیش کی جائیں گی۔

---

(۶) ایضاً (۷) کتاب المکاسب، ج ۳، (رسالۃ فی التقیہ) ص ۱۳۰۔

۵۔مباح تقیہ: جب تقیہ کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہ ہو اور انسان دونوں کے انجام دینے میں مخیّر ہو۔مثلاً پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں جب ''مسیلمۃ کذاب'' نے نبوت کا دعویٰ کیا تو دو مسلمانوں کو اس کے ساتھیوں نے پکڑ لیا اور ان سے کہا کہ وہ مسیلمۃ کذاب کے نبی ہونے کی گواہی دیں۔ان دونوں میں سے ایک نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نبی ہیں اور مسیلمۃ جھوٹا ہے۔مسیلمہ نے اسے قتل کر دیا۔دوسرے مسلمان نے مسیلمہ کے کہنے پر عمل کیا اور اس کے نبی ہونے کی گواہی دے دی۔مسیلمہ نے اسے آزاد کر دیا۔جب یہ خبر پیغمبر اسلامؐ تک پہنچی تو آپؐ نے فرمایا:

''پہلا شخص کہ جس نے اقرار نہیں کیا اور قتل ہو گیا وہ بہشت کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔دوسرا شخص کہ جس نے اپنے فریضہ پر عمل کیا اور تقیہ اختیار کر کے محفوظ ہو گیا ہے۔لہذا ہر دو ماجور ہیں''۔

یعنی تقیہ مباح کی صورت میں تقیہ کرنے والا اور نہ کرنے والا ہر دو ماجور و مثاب ہوتے ہیں(۸)۔البتہ مباح تقیہ کا تصور مشکل ہے۔

(۳) تقیہ کی اقسام:

تقیہ کو مختلف لحاظ سے چند اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔جتنے بھی محققین اور علماء نے تقیہ کے بارے میں کچھ لکھا ہے ان میں سے کسی نے بھی تقیہ کی اقسام اتنی دقت سے بیان نہیں کیں جتنی دقت اور باریک بینی سے امام خمینی علیہ الرحمہ نے بیان کی ہیں۔امام امتؒ نے تقیہ کو مختلف لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

---

(۸) تفسیر الکبیر، ج ۸، ص ۱۲۔

(الف) تقیہ کی ذاتی تقسیم:

تقیہ ذاتی طور پر چند قسموں میں تقسیم ہوتا ہے۔اسے ہم اسباب کے لحاظ سے بھی تقیہ کی تقسیم کہہ سکتے ہیں۔یعنی تقیہ کرنے کا سبب کیا ہے۔

۱۔تقیہ خوفیہ: کسی خوف اور خطرے کے سبب تقیہ کرنا،تقیہ خوفیہ کہلاتا ہے۔اسے ہم تقیہ اکراہیہ بھی کہہ سکتے ہیں یعنی جبر واکراہ کی وجہ سے تقیہ کرنا۔یہاں خوف وخطرہ بھی تین طرح کا ہوسکتا ہے۔

(۱) اپنی جان ومال یا عزت وآبرو کے خطرے وخوف کی وجہ سے تقیہ کرنا۔

(۲) دوسرے مؤمنین کو ضرر پہنچنے کے خطرے وخوف کے سبب تقیہ کرنا۔

(۳) دنیائے اسلام یا اسلامی معاشرے کو(ناقابل تلافی)ضرر ونقصان پہنچنے کے خطرے وخوف کے سبب تقیہ کرنا(۹)۔

خوف وخطر یا جبر اکراہ کی بناء پر تقیہ کرنے کی طرف آیات وروایات میں بھی واضح اشارہ ملتا ہے۔چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۲۸"لایَتّخِذِالمُؤمِنَون .الخ"تقیہ خوفیہ ہی کی طرف ناظر ہے۔اسی طرح سورہ نحل کی آیت ۱۰۶"وَمَن کَفَرَباللہ مِن اِیمٰانِہِ اِلَّا مَن اُکرِہَ.....الخ" بھی جبر واکراہ کی بناء پر تقیہ کرنے کے جواز پر دلالت کررہی ہے۔بعض روایات واحادیث میں بھی جان ومال اور عزت وآبرو کے خوف کی وجہ سے تقیہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔جیسا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک حدیث گذشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں: "تقیہ مؤمن کے بہترین اعمال میں سے ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو اور

---

(۹)الرسائل العشرہ(التقیہ)،ص ۷۔

اپنے دینی بھائیوں کو ظالموں سے بچاتا ہے"۔ (۱۰) اسی طرح دوسری بہت سی روایات میں بھی تقیہ کا سبب خوف وخطر کو قرار دیا گیا ہے اور اس کی بناء پر تقیہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چند روایات ادلہ تقیہ کے ذیل میں نقل کی گئی ہیں۔

تقیہ خوفیہ کی تیسری قسم وہ تقیہ ہے کہ جو دنیائے اسلام واسلامی معاشرے کو ناقابل تلافی نقصان وضرر سے بچنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ تقیہ فقط جان ومال کی حفاظت اور خطرے سے بچنے ہی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ان چیزوں سے بھی زیادہ اہم مقصد کے لیے تقیہ کیا جاتا ہے اور وہ اہم مقصد دین اسلام اور مذہب حقہ کی حفاظت اور اسے دشمنوں کے خطرے سے محفوظ رکھنا ہے۔ امام امتؒ تقیہ کی اس قسم کو اذاعہ وافشاء کے مقابلے میں بیان کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

﴿ومنها: ماتكون واجبة لنفسها، وهي ماتكون مقابلة للإذاعه، فتكون بمعنى التحفظ عن إفشاء المذهب وعن إفشاء سرّاهل البيت .فينظهرمن كثيرمن الروايات أن التقية التى بالغ الأئمة(ع)فى شانها، هى هذه التقية فنفس إخفاء الحق فى دولة الباطل واجب وتكون المصلحة فيه جهات سياسية دينية ولولاالتقية لصارالمذهب فى معرض الزوال والانقراض﴾(۱۱)

"تقیہ کی ایک قسم وہ ہے کہ جو ذاتاً واجب ہے اور یہ وہ تقیہ ہے جو اذاعہ وافشا کے مقابلے میں ہے۔ پس اس کا معنی مذہب حقہ کو افشاء ہونے سے محفوظ رکھنا اور اہل بیتؑ کے اسرار کو آشکار نہ کرنا

---

(۱۰) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۲۲، کتاب امر ونہی، باب ۲۸، ح ۳۔

(۱۱) الرسائل العشرہ (التقیہ)، ص ۳۴۔

ہے۔ بہت سی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئمہ اہل بیت (ع) جس تقیہ کی تاکید فرماتے تھے وہ یہی تقیہ تھا۔ بنابر ایں باطل حکومت کے دوران حق کو پنہان رکھنا واجب ہے اور اس اخفاء و پوشیدگی حق کی مصلحت اس کا دینی و سیاسی پہلو ہے۔ اگر تقیہ نہ ہوتا تو مذھب حقہ زوال و انقراض کے خطرے سے دوچار ہو جاتا"۔

پس جان و مال اور عزت و آبرو کے علاوہ دین اسلام اور مذہب حقہ کی حفاظت جیسے اہم مقصد کی خاطر تقیہ کرنا واجب ہے۔ اگر دین اور مذہب خطرے سے دوچار ہو جائے اور ہمارا تقیہ کرنا اسے بچا سکتا ہو تو تقیہ کرنا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ سیرت آئمہ اطہارؑ خصوصاً امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مقدس زندگی اس کی شاہد ہے کہ آپؑ نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ دین اسلام اور مذہب حقہ کی مصلحت و حفاظت کی خاطر تقیہ میں گزارا۔

(ب) تقیہ مداراتیہ

دین اسلام میں دوسروں کے ساتھ صلح و آشتی اور مدارا کرنے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ تقیہ مداراتیہ یہ ہے کہ وحدت مسلمین کی خاطر مخالف مذہب مسلمان بھائیوں کے ساتھ صلح و آشتی اور مدارا کرتے ہوئے ایسا کوئی عمل انجام نہ دینا جو ان کی دل شکنی اور نفرت کا باعث بنے، بلکہ چھوٹے موٹے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر دوسرے مسلمانوں کی محبت و مودّت حاصل کرنا چاہیئے۔ تقیہ مداراتیہ میں ضرر و نقصان کا خوف نہیں ہوتا بلکہ فقط مسلمانوں کے اتحاد اور باہمی اخوت و محبت کو برقرار کرنا ہی اس قسم کے تقیہ کا مقصد ہے۔ تقیہ مداراتیہ کے بارے میں بہت سی احادیث و روایات موجود ہیں اور آئمہ طاہرینؑ کی طرف سے اس سلسلے میں خصوصی تعلیمات ملتی ہیں۔ چند روایات ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ ﴿عن عبداللہبن سنان،عن أبی عبداللہعلیہ السلام قال:قال رسول اللہصلی اللہعلیہ و آلہ:أمرنی ربی بمداراۃ الناس کماامرنی بأداالفرائض﴾(۱۲)

''عبداللہ بن سنان امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا ؐ نے فرمایا: میرے پروردگار نے مجھے جیسے واجبات وفرائض کی انجام دہی کا حکم دیا ہے ویسے ہی لوگوں کے ساتھ مدارا اور آشتی کرنے کا حکم بھی دیا ہے''۔

۲ ﴿عن أبی عبداللہعلیہ السلام قال:قال رسول اللہصلی اللہعلیہ و آلہ:مداراۃ الناس نصف الإیمان والرفق بھم نصف العیش﴾(۱۳)

'امام جعفرصادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا ؐ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ آشتی ومدارا نصف ایمان ہے اوران سے نرمی ومہربانی کرنا نصف زندگی ہے''۔

۳۔ ﴿عن أبی عبداللہعلیہ السلام فی رِسالَتِہٖ إلیٰ أصحابہ قال:وَعَکَیکُم بِمُجاملۃِ أھل الباطل﴾(۱۴)

''حضرت جعفر صادق علیہ السلام اپنے اصحاب کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں: تمہارے لیے اہل باطل کے ساتھ خوش رفتاری وخوش کلامی کرنا ضروری ہے''۔

۴۔ ﴿عن مدرک بن الھزھاز عن أبی عبداللہعلیہ السلام قال: رحم اللہ عبداً

---

(۱۲)اصول کافی، ج ۲،ص ۱۲۳، کتاب ایمان وکفر، باب المدارا، ح ۴۔

(۱۳)ایضاً، ح ۴۔

(۱۴)وسائل الشیعہ، ج ۱۶،ص ۲۰۷، کتاب امر ونہی، باب ۲۴، ح ۱۴۔

اجترمودّة الناس إلى نفسه فحدثهم بما يعرفون،وترک ماينكرون﴾(۱۵)

''مدرک ابن بزباز کے حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:خدا اس بندے پر رحم کرے جو عوام الناس (کے ساتھ اچھا برتاؤ کرکے) ان کی محبت و دوستی حاصل کرتا ہے وہی کہتا ہے جس کو وہ پسند کرتے ہیں اور جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس کو ترک کرتا ہے''۔

۵۔ **﴿عن هشام الكندى قال:سمعت أباعبدالله عليه السلام يقول:إياكم أن تعملوا عملاً يغيرونابه،فإنَّ ولدالسوءِ يغيروالده بعمله،كونوالمن انقطعتم إليهٖ زيناًولاتكونواعليه شيئاً،صلوافى عشائرهم،وعودوامرضاهم،واشهدواجنائزهم ولايسبقونكم إلىٰ شئى من الخيرفأنتم أولى به منهم والله ماعبدالله بشئيٍ أحبّ إليه الخبء قال:التقية﴾(۱۶)**

''ہشام الکندی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق (ع) کو فرماتے ہوئے سنا:خبر دار! کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے لوگ ہم پر انگلی اٹھائیں اس لیے کہ بیٹے کی نالائقی کے سبب لوگ اس کے باپ پر انگلی اٹھاتے ہیں۔جن (اہل بیت علیہم السلام) کی طرف تم میلان و تمایل رکھتے ہو ان کے لیے نیک نامی کا باعث بنو۔ان لوگوں (اہل سنت) کے ساتھ نماز پڑھو،ان کے مریضوں کی عیادت کرو اور ان کے جنازوں میں شرکت کرو۔یاد رکھو!وہ تم پر کسی امر خیر میں سبقت نہ لے جائیں چونکہ انجام خیر کے لیے ان کی نسبت تم زیادہ بہتر ہو۔خدا کی قسم!خباء سے زیادہ بہتر کسی چیز کے ذریعے بھی خدا کی عبادت نہیں کی گئی،پوچھا گیا:خباء کیا ہے؟آپؑ نے فرمایا:تقیہ''۔

---

(۱۵)ایضاً،باب۲۶،ح۴۔

(۱۶)اصول کافی،ج۲،ص۲۲۸،باب التقیہ،ح۱۱۔

آئمہ معصومین علیہ السلام کی طرف سے مخالف مذہب ، دینی بھائیوں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حسن معاشرت اور مدارا و آشتی کی اس قدر تاکید کا فلسفہ در حقیقت قرآن کے اس فرمان کی تعمیل ہے کہ جس میں خداوند متعال مسلمانوں کو تفرقہ سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ خداوند فرماتا ہے:

﴿وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللهِ جَمِیعاً وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذکُرُوا نِعمَتَ اللهِ عَلَیکُم إذ کُنتُم اعداءَ فَأَلَّفَ بَینَ قُلُوبِکُم فَأَصبَحتُم بِنِعمَتِهِ إخوَاناً﴾ (۱۷)

”تم سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو اور یاد کرتے رہو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے جبکہ تم دشمن تھے۔ پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تم اس نعمت کے طفیل بھائی بھائی ہو گئے“۔

ایک دوسری آیت میں خداوند متعال فرماتا ہے:

﴿وَأَطِیعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفشَلُوا وَتَذهَبَ رِیحُکُم وَاصبِرُوا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِین﴾ (۱۸)

”اور تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دوگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“۔

قرآن مجید کی ان تعلیمات سے وحدت و اتحاد کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہر عاقل شخص لگا سکتا ہے۔ دین اسلام کی یہی غیر معمولی اصل و اساس ہے کہ جس کے تحفظ کے لیے آئمہ معصومین علیہ السلام اپنے پیروکاروں کو اپنی عملی سیرت اور تعلیمات کے ذریعے دوسروں کے ساتھ صلح و آشتی

---

(۱۷) سورہ آل عمران، آیت ۱۰۳۔

(۱۸) سورہ انفال، آیت ۴۶۔

کی زندگی بسر کرنے کی تاکید فرماتے ہیں اور قرآن کریم کے ان عظیم تعلیمات کو عملی شکل عطا کرنے کے لیے تقیہ مداراتیہ جیسی تدبیر وحکمت عملی سے کام لیتے ہوئے مسلمانوں کو اتحاد وہم بستگی کی دعوت دیتے ہیں۔ مذہب اہل بیت میں تقیہ مداراتیہ کی اہمیت کے پیش نظر، فقہائے امامیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں اسے غیر معمولی اہمیت دی ہے اور جہاں بھی اسلامی مذاہب کی ہم بستگی اور وحدتِ کلمہ کا مسئلہ پیش آیا ہے وہاں اسلامی معاشرے کی وحدت ویگانگت کو محفوظ رکھنے کی سعی وکوشش کرتے ہوئے دشمنان اسلام کی طرف سے تمام وحدت شکن اقدامات کو ناکام بنادیا ہے۔ چنانچہ حج جیسے عبادی وسیاسی مسئلہ میں دنیائے اسلام کے ساتھ اتحاد ویگانگت برقرار رکھنے کے لیے شیعہ فقہاء نے غیر معمولی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کو تقیہ مداراتیہ پر عمل کرنے کی تاکید کی ہے اور بہت سے مسائل میں اپنے فتاویٰ کے ذریعے اس دینی واسلامی وحدت ویگانگت کا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ مناسک حج سے متعلق چند مسائل امام خمینی علیہ الرحمہ کے فتاویٰ پر مشتمل کتاب ''مناسک حج'' سے نقل کیئے جاتے ہیں۔

مسئلہ ۱: اگر علماء اہل سنت کے نزدیک پہلی تاریخ ثابت ہوجائے اور وہ پہلی تاریخ ہونے کا حکم دے دیں تو شیعہ حجاج کو ان کی پیروی کرنا چاہیئے اور جس دن سارے مسلمان عرفات جائیں انھیں بھی جانا چاہیئے۔ ان کا حج صحیح ہوگا اور اگر شیعوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کا حکم خلاف واقع ہے تب بھی ان سے علیٰحدگی اختیار نہیں کرنا چاہیئے اور احتیاط یہ ہے کہ خلاف واقع ہونے کی صورت میں اگلے سال دوبارہ حج کرلیں۔ اگرچہ اس حج کا، کافی ہونا بھی بعید نہیں ہے۔ ہاں اگر تقیہ کی خلاف ورزی کیے بغیر ممکن ہو تو ان سے علیحدگی اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لہذا شیعہ حجاج پر سارے مسلمانوں کی موافقت کرنا واجب ہے۔ اور انکا حج صحیح ہوگا لیکن ان کی پیروی صرف تقیہ کی صورت

میں کی جائے گی۔لہذا جب تقیہ نہ رہے تو پیروی کافی نہ ہوگی۔(۱۹)

مسئلہ۲: اہل سنت کی جماعت قائم ہو جانے کے بعد مسجد الحرام یا مسجد النبیؐ سے باہر آنا اگر تقیہ کے خلاف ہوتو جائز نہیں ہے اور شیعوں پر واجب ہے کہ اس صورت میں ان کی جماعت سے علٰیحدہ نہ ہوں اور ان کے ساتھ نماز جماعت پڑھیں اور تقیہ کی حالت میں اگر ہاتھ باندھنا پڑیں یا جن چیزوں پر سجدہ کرنا صحیح نہیں ہے مثلاً فرش (قالین وغیرہ) پر سجدہ کرنا پڑے تو نماز صحیح ہوگی اور اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر تقیہ کے خلاف طرز عمل اختیار کریں تو فعل حرام کے مرتکب قرار پائیں گے اور اگر سجدہ گاہ پر سجدہ کریں تو ان کی نماز میں اشکال پیدا ہو جائے گا۔(۲۰)

مسئلہ۳: تقیہ کی حالت میں اگر وضو کرنا پڑے تو انھیں کے مذہب کے مطابق وضو کرنا چاہیئے اس کا وضو صحیح ہوگا اسی طرح اس وضو سے پڑھی ہوئی نمازیں بھی صحیح اور کافی ہوں گی اور اگر کوئی شخص تقیہ کی حالت میں اس طرح وضو کرے جو تقیہ کے منافی ہو تو وہ فعل حرام کا مرتکب ہوگا اور اس کے وضو میں اشکال ہے۔(۲۱)

مسئلہ۴: مکہ اور مدینہ کے ہوٹل اور مسافر خانوں میں جماعت سے نماز نہیں پڑھنا چاہیے اور اگر وہاں پر نماز جماعت تقیہ کے منافی ہو تو جماعت کا صحیح ہونا مشکل ہے۔ مسجدوں میں تمام مسلمانوں کی جماعت میں شرکت کی جاسکتی ہے اور تقیہ کے پیش نظر جس طرح بھی نماز پڑھی جائے، صحیح ہوگی اور تقیہ کے خلاف کسی طرح جائز نہیں۔ مذکورہ جماعت پر بھی جماعت کے احکام جاری ہوں گے۔(۲۲)

---

(۱۹) مناسک حج امام خمینیؒ (اردو) ص ۲۹۰، ۲۹۱۔

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً، ص ۲۹۲۔

مسلمانوں میں وحدت ویگانگت برقرار رکھنے کے لیے تقیہ مداراتیہ کے صادر شدہ فتاویٰ کے یہ چند نمونے تھے کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ فقہ شیعہ میں اور شیعہ فقہاء کے نزدیک دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یکجہتی اور وحدت کس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے لیے اپنے مذہبی جذبات واحساسات تک کی قربانی دی جاسکتی ہے اور وحدت واتحاد کی خاطر کہ جو قرآن مجید اور توحیدی معاشرے کا اہم ترین مقصد ہے احکام اولیہ، احکام ثانویہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ البتہ تقیہ مداراتیہ کے سلسلے میں چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

نکات

۱۔ تقیہ مداراتیہ کا فلسفہ فقط وحدت مسلمین اور ان کے درمیان محبت واخوت کو فروغ دینا اور امت اسلامیہ کو تفرقہ سے بچانا ہے۔ لہذا تقیہ مداراتیہ کا سبب خوف نہیں بلکہ مذکورہ بالا مقصد ہے (۲۳) اور اس قسم کے مدارا و آشتی کا سب سے بڑا محرک، قرآن مجید کی وہ آیات ہیں کہ جن میں مسلمانوں کو تفرقے سے بچنے اور وحدت و یکجہتی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ گو کہ تقیہ مداراتیہ کا مقصد مسلمانوں کے درمیان اتحاد و یگانگت برقرار کرنا، محبت و برادری قائم کرنا اور کینہ و کدورت کو ختم کرنا ہے۔ اگر تقیہ مداراتیہ سے یہ مقاصد حاصل نہ ہوں اور مخالف اس قسم کے طرز عمل کو نکتہ ضعف سمجھ کر سوءِ استفادہ کرنا چاہے یا دشمنان اسلام کے خفیہ ہاتھ اس قسم کے رویے کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیں یا اس مقصد سے زیادہ اہم مقصد فوت ہو رہا ہو جیسے کسی قوم وملت کا تشخص ختم ہو جائے اور اسکے بنیادی اصول وعقائد پائمال ہونے لگیں یا مفاد پرست عناصر اس قسم کے تقیہ کو اپنی دنیا پرستی کے لیے استعمال کرنے لگیں تو اس صورت میں مدارا

---

(۲۳) الرسائل العشرہ (التقیہ)، ص ۸۔

وآشتی کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ اہل سنت عوام اوران کے بعض برجستہ وپاکیزہ دل علمائے اکرام سے ہم بستگی وہمجہتی اور مدارا وآشتی ایک احسن ترین قدم ہے اور وحدت واتحاد کا اہم ترین وسیلہ ہے لیکن اسلام دشمن خفیہ قوتوں سے وابستہ مفاد پرست اور نام نہاد مذہبی رہنماؤں سے مدارا وآشتی، تقیہ مداراتیہ کی غرض وغایت کے خلاف اور محض ایک احمقانہ فعل ہوگا۔ لہذا تقیہ مداراتیہ کے لیے موقع ومحل کی تشخیص ضروری ہے۔

(ج) متقی (تقیہ کنندہ) کے لحاظ سے تقیہ کی اقسام

۱۔ **عام انسانوں کا تقیہ:** معاشرے کے عام لوگوں کا تقیہ کرنا کہ جو کسی مقام وعہدے پر فائز نہیں۔

۲۔ **معاشرے کے دینی وغیر دینی رہنماؤں کا تقیہ:** ان لوگوں کا تقیہ کرنا کہ جو دینی یا دنیوی لحاظ سے لوگوں کے درمیان کسی مقام وحیثیت کے حامل افراد ہیں مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تقیہ کرنا (اگر نبیؐ کے لیے تقیہ کرنا جائز ہو) یا آئمہ طاہرین علیہ السلام، فقہا، رؤسائے مذہب اور سلاطین وحکام کا تقیہ کرنا۔ (۲۴) ان میں سے ہر ایک کے تقیہ کے بارے میں جداگانہ بحث کی ضرورت ہے۔

(د) متقی منہ (جس سے تقیہ کیا جاتا ہے) کے لحاظ سے تقیہ کی اقسام

۱۔ کفار ومشرکین سے تقیہ کرنا، خواہ وہ حکام وسلاطین ہوں یا رعایا۔

۲۔ مخالف مذہب حکام وسلاطین سے تقیہ کرنا۔

---

(۲۴) ایضاً

۳۔مخالف مذہب فقہاء وقضات سے تقیہ کرنا۔

۴۔مخالف مذہب عوام سے تقیہ کرنا۔

۵۔شیعہ عوام اور حکام وسلاطین سے تقیہ کرنا۔(۲۵)

نکتہ: متقی منہ کے لحاظ سے تقیہ کی پانچویں قسم شاید بعض لوگوں کے لیے تعجب انگیز ہو کہ کیسے ایک شیعہ کسی شیعہ سے تقیہ کرسکتا ہے۔مگر یہ بات ہمیں نہیں بھولنی چاہیئے کہ جس طرح ایمان کے درجے ہیں اسی طرح انسانی فہم وشعور کے بھی مراتب ودرجات ہیں۔بعض افراد عوام الناس ہونے کے باوجود اعلیٰ فہم وفراست اور شعور کے حامل ہوتے ہیں اور بعض لوگ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود عقل وفکر اور شعور کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں کیونکہ عوام کی اکثریت اپنی عقل اور فہم وفراست سے کام لینے کے بجائے زیادہ تر تقلیدی زندگی گزارتی ہے اور معاشرے کے عیار ومفاد پرست عناصر ہمیشہ عوام کی اس کمزوری سے سوءِ استفادہ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔اس لیے معاشرے کے سرکردہ اور فہیم ومدبر افراد اس لحاظ سے مشکل سے دوچار رہتے ہیں کیونکہ انھیں عوام کی مصلحت کی خاطر بہت سے حقائق چھپانے پڑتے ہیں چونکہ شعور نہ ہونے اور جہالت وتعصب کے حجابات کی وجہ سے یا مفاد پرست اور خودغرض عناصر کے غلط پروپیگنڈے کے سبب عوام الناس اپنے احساسات وجذبات کے برعکس کوئی بھی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے خواہ وہ بات حقیقت پر ہی مبنی کیوں نہ ہو۔لہذا معاشرے کے رہنماؤں کو ہمیشہ عوام کے عقل وفہم کے مطابق بات کرنی ہوتی ہے۔جیسا کہ حدیث نبویؐ میں آیا ہے کہ:﴿إِنَّا مَعَاشِرَ الانبياءِ اُمِرنا أن نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلىٰ قَدرِ عُقُولِهِم﴾(۲۶)

---

(۲۵)ایضاً (۲۶)اصول کافی، کتاب عقل وجہل، حدیث ۱۵۔

یعنی ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں''۔

اس مشکل میں انبیائے کرامؑ بھی مبتلا تھے اوران کے اوصیاؑ بھی۔آئمہ طاہرینؑ کی مشکلات کا بڑا سبب یہی نادان و بے شعور افراد تھے چنانچہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے دور حکومت میں جنگ جمل وصفین ونہروان کی بنیاد مسلمانوں کی یہی بے شعوری اور نادانی تھی جس کا شکوہ بارہا امامؑ نے اپنے خطبات کے دوران کیا ہے۔آئمہ طاہرینؑ کے بعد ہمارے فقہاء اور علمائے حقہ کو بھی ہمیشہ اسی مشکل کا سامنا رہا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات وہ عوام الناس کے سامنے شرعی حکم بیان کرنے سے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں اور مصلحتاً انھیں عوام سے تقیہ کرنا پڑتا ہے جس کی فراوان مثالیں موجود ہیں۔اسی طرح بعض اوقات علماء وفقہاء کو شیعہ حکام وسلاطین کی جہالت وتکبر اور ہٹ دھرمی کا سامنا ہوتا ہے جوان کے تقیہ کا سبب بنتا ہے چونکہ سست عقیدہ اور نادان افراد سے حقائق کا کتمان ،اس فتنے وفساد سے کئی درجے بہتر ہے جو نااہل افراد کے سامنے حقائق بیان کرنے کی صورت میں رونما ہوتا ہے۔

(ج) متقی فیہ (جس چیز میں تقیہ کیا جاتا ہے) کے لحاظ سے تقیہ کی اقسام

۱۔فعل حرام انجام دینے میں تقیہ کرنا۔

۲۔ترک واجب کرنے میں تقیہ کرنا۔

۳۔شرط وجزء ترک کرنے میں یا مانع وقاطع انجام دینے میں تقیہ کرنا۔

۴۔موضوع خارجی کے مطابق عمل کرنے میں تقیہ کرنا۔مثلاً جس دن اہل سنت عید مناتے ہیں لیکن شیعہ کے نزدیک (عدم رویت ہلال کی وجہ سے) عید نہ ہو اس دن افطار کرنے میں تقیہ

کرنا وغیرہ۔(۲۷)

(۴) حکم تقیہ کی عمومیت اور اطلاق

تقیہ کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی ادلہ سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ کا حکم عام اور مطلق ہے ۔بالخصوص آیات اور روایات کی عمومیت میں کوئی شک نہیں ۔گو کہ بعض روایات سے یہ توہم ہوتا ہے کہ تقیہ فقط مخالف مذہب (یعنی غیر شیعہ) سے مختص ہے اور انہی سے تقیہ کرنا چاہیئے انہی روایات کی وجہ سے شیخ انصاریؒ لکھتے ہیں:

﴿بشرط فی الاول ان یکون التقیة من مذهب المخالفین؟لانه المتیقن من الادلة الواردة فی الاذن فی العبادات علی وجه التقیة لان المتبادرمن التقیة من مذهب المخالفین ،فلایجری فی التقیة من الکفاراو ظلمة الشیعة﴾(۲۸)

یعنی شرط یہ ہے کہ تقیہ غیر شیعہ سے کیاجائے کیونکہ وہ دلیلیں جو تقیہ کے طور پر عبادت بجالانے کی اجازت دیتی ہیں ان سے جو چیز قدر متیقن کے طور پر ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ تقیہ مخالف مذہب والوں سے ہے پس کفار اور شیعہ ظالموں سے تقیہ نہیں ہوتا۔

لیکن تقیہ کی مشروعیت پر دلالت کرنے والی دوسری بہت سی قرآنی وروائی ادلہ میں ایسی کوئی قید نہیں ملتی کہ جس سے اس قسم کا اختصاص ظاہر ہوتا ہو بلکہ یہ ادلہ حکم تقیہ کے عام اور مطلق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔خود شیخ انصاریؒ بھی اگلی عبارت میں اس مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

---

(۲۷) الرسائل العشرہ،ص۹۔

(۲۸) کتاب المکاسب،ج۳،(رسالہ التقیہ)ص۱۳۲۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

﴿لکن فی روایة مسعدة بن صدقة مایظهرمن عموم الحکم لِغیر المخالفین مع کفایة عمومات التقیة فی ذلک﴾(۲۹)

لیکن مسعدۃ بن صدقہ کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مخالفین کی نسبت یہ حکم عام ہے اس کے علاوہ اس بارے میں عمومات تقیہ بھی کافی حد تک موجود ہیں۔

حضرت امام خمینیؒ بھی اس بارے میں لکھتے ہیں:

﴿لااشکال فی شمولها بالنبسةالیٰ المتقی منه کافراًاومسلماًاوغیرهماو کون کثیرمن اخبارهاناظراًالیٰ المخالفین لایوجب اختصاصهابهم لعدم اشعارفیهاعلی کثرتهالذلک،وان کان بعض اقسامها مختصاًبهم﴾(۳۰)

''متقی منہ خواہ کافر ہو یا مسلمان، مخالف مذہب (غیر شیعہ) ہو یا ان کے علاوہ کوئی اور ہو ان کے لحاظ سے روایات تقیہ عام ہیں ان میں سے اکثر روایات کا مخالفین کی طرف ناظر ہونا اس بات کا موجب نہیں بنتا کہ یہ روایات انہی سے مختص ہیں کیونکہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود ان روایات میں اس قسم کے اختصاص کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اگرچہ اُن میں سے بعض، مخالفین سے تقیہ کرنے کے بارے میں ہیں۔''

آیت اللہ کاشف الغطاءؒ لکھتے ہیں:

﴿ولایختلف فیهاالحال بین مایکون من کافروغیرذی ملة اوملی حربی اوذمی

---

(۲۹) ایضاً

(۳۰) الرسائل العشرہ، ص ۱۱۔

اومسلم مخالف اوموافق لان مدارھاعلی وجوب حفظ مایلزم حفظہ عقلاًاو شرعاً﴾(۳۱)

''تقیہ کے سلسلے میں، کافر و بے دین و کافر حربی، ذمی اور مسلمان سنی و شیعہ کے درمیان کوئی فرق نہیں کیونکہ تقیہ کادارو مدار بر اس شے کی حفاظت کرنا ہے کہ جس کی حفاظت عقلاًو شرعاًلازمی ہے۔''

اس مطلب کی تائیدادلہ تقیہ میں پیش کی جانے والی آیات (۳۲) سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں کفار سے تقیہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔لہذا جہاں بھی جان و مال،عزت وآبرو خطرے میں ہو یا دینی وقومی مصلحت ہو وہاں تقیہ کیا جا سکتا ہے خواہ متقی منہ مسلمان ہو یا کافر ومشرک،شیعہ ہو یا سنی ۔جیسا کہ متقی منہ کے لحاظ سے تقیہ کی اقسام سے واضح ہوگیا ہے۔اسی طرح متقی منہ کے لحاظ سے بھی تقیہ کا حکم عام ومطلق ہے جیسا کہ روایت میں ہے:

﴿التقیة فی کل شئی یضطر الیه ابن آدم فقداحله الله﴾

البتہ روایات میں بعض چیزیں حکم تقیہ سے مستثنیٰ کی گئی ہیں جن کا تفصیلی ذکر اگلی فصل میں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

---

(۳۱) کشف الغطا،ص ۵۷۔

(۳۲) سورہ آل عمران، آیت ۲۸،سورہ نحل، آیت ۱۰۶۔

چوتھی فصل:

مستثنیاتِ تقیہ

احکام ثانویہ کے دوسرے قواعد کی مانند قاعدہ تقیہ سے بھی کچھ موارد مستثنیٰ قرار پاتے ہیں۔فقہاء نے ادلہ تقیہ بالخصوص روایات اور قانون اہم ومہم سے استفادہ کرتے ہوئے جن امور کو قاعدہ تقیہ سے مستثنیٰ کیا ہے اور ان میں تقیہ کو حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہیں:

ا۔دین میں فساد کی صورت میں تقیہ حرام ہے۔

جو کام بھی دین میں فتنہ وفساد کا باعث بنے اور جس سے ارکان اسلام کے متزلزل ہونے اور شعائرِ الٰہی کے محو ہونے کا خطرہ ہو اس میں تقیہ کرنا حرام ہے۔مثلاً تقیہ کے طور پر کعبہ اور دوسرے مشاہد شریفہ کو اس طرح تباہ وبرباد کرنا کہ ان کا اثر تک باقی نہ رہے یا مذہب کی ایسی تفسیر کرنا کہ جو الحاد کے مطابق ہو تو یہ تقیہ جائز نہیں ہوگا۔دوسرے الفاظ میں ہر اس کام میں تقیہ کرنا حرام ہے کہ جس پر عمل کرنا جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت سے زیادہ اہمیت کا حامل ہو۔یعنی ایسے امور کہ جن کی حفاظت کے لیے جنگ وجہاد اور جاں نثاری کرنا واجب ہے۔البتہ ان موارد کی تشخیص عام آدمی کا کام نہیں بلکہ مجتہد وفقیہ ہی ان کی تشخیص دے سکتا ہے کیونکہ اس کے لیے ادلہ شرعیہ پر تسلط، ذوق شریعت اور تقویٰ وپرہیز گاری ضروری ہے۔

انہی امور میں سے ایک یہ ہے کہ اگر متقی (تقیہ کنندہ) کوئی بڑی، دینی واجتماعی شخصیت ہو اور اس کے تقیہ کرنے سے مذہب کی توہین ہوتی ہو یا دوسروں کی گمراہی کا اندیشہ ہو تو ایسی شخصیت کے لیے تقیہ کرنا جائز نہیں مثلاً وہ تقیہ کے طور پر بعض محرمات کا ارتکاب کرے (شراب پیئے

یا زنا کرے) یا بعض واجبات کو ترک کرنے پر مجبور ہو (نماز، روزہ اور حج بجانہ لائے) تو یہاں دلیل رفع یا ادلہ تقیہ سے تمسک کرتے ہوئے تقیہ کا جواز مشکل ہے۔(۱) اسی ضمن میں امام خمینیؒ لکھتے ہیں:

''ہر وہ چیز کہ جو اصول اسلام یا اصول مذہب میں سے کوئی اصل یا ضروریات دین میں سے کوئی ضرورت ہو اور وہ زوال و تباہی اور تغیر کے خطرے سے دوچار ہو مثلاً بعض منحرفین اور طاغی افراد ارث، طلاق، نماز اور حج جیسے ''اصول احکام'' کو تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں چہ جائیکہ اصول دین یا اصول مذہب کو تبدیل کرنا چاہیں تو ایسے موقع پر تقیہ جائز نہیں۔'' (۲)

مستثنیات تقیہ کے اس مورد پر قاعدہ اہم و مہم کے علاوہ کچھ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ ﴿عن مسعدةبن صدقه ،عن أبی عبدالله علیه السلام فی حدیث. أن المؤمن إذاأظهر الإیمان ثم ظهر منه مایدل علی نقضه خرج مماوصف وأظهرو کان له ناقضاًإلا أن یدعي أنه إنما عمل ذلک تقیة،ومع ذلک ینظرفیه،فإن کان لیس ممایمکن أن تکون التیقة في مثله لم یقبل منه ذلک،لأن للتقیة مواضع من أزالها عن مواضعها لم تستقم له وتفسیرمایتقیٰ مثل أن یکون قوم سوء ظاهرحکمهم وفعلهم علی غیرحکم الحق و فعله، فکل شيء المؤمن بینهم لمکان التقیة ممالایؤدي إلی الفسادفي الدین فإنه جائز﴾ (۳)

---

(۱) الرسائل العشرہ، ص ۱۳۔

(۲) ایضاً، ص ۱۴۔

(۳) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۱۶، کتاب امر و نہی، باب ۲۵، ح ۶۔

''مسعدۃ بن صدقہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر اظہار ایمان کے بعد کوئی ایسا کام کرے جس سے ایمان کی نفی ہوتی ہو تو وہ مومنوں کی صف سے نکل جاتا ہے لیکن اگر وہ ادعا کرے کہ اس نے یہ کام تقیہ کے طور پر کیا ہے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا اس کام میں تقیہ جائز تھا یا نہیں؟ اگر اس کام میں تقیہ جائز نہیں تھا تو اس کا عذر قبول نہیں ہوگا کیونکہ تقیہ کی حدود معین ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قابل عفو نہیں اور ''مایتقی'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص ایسی بڑی قوم میں پھنسا ہو جو ظالم بھی ہوں اور اس پر غلبہ بھی رکھتے ہوں تو اس صورت میں مؤمن کا ہر وہ فعل جو تقیہ کی بناء پر ہو اور جس سے دین میں فتنہ و فساد پیدا نہ ہو جائز ہوگا''۔

۲۔ ''عن درست بن اَبی منصور قال: كُنتُ عندأبی الحسن موسیٰ علیه السلام وعنده الكميت بن زيد،فقال للكميت:أنت الذي تقول:

فالآن صرت إلى أُمية والأمورلها مصائر

قال :قلت ذاک والله مارجعت عن إيماني،وإني لكم لموالٍ،ولعدوكم لقالٍ،ولكنی قلته علی التقية،قال:أمالئن قُلت ذلک إنی التقية تجوز فی شرب الخمر'' (۴) ''درست بن ابی منصور کہتے ہیں: میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا اور کمیت ابن زید (معروف شاعر و مداح اہل بیت) بھی وہاں موجود تھے، امام علیہ السلام نے کمیت (کو سرزنش کرتے ہوئے) فرمایا: کیا (یہ شعر) تم نے کہا ہے؟

[اب میں بنی امیہ کے ساتھ ہوں اور ان کے امور کی برگشت میری جانب ہے]

---

(۴) ایضاً، ح ۷۔

کمیت نے عرض کی: ہاں! میں نے ہی کہا ہے لیکن میں اپنے ایمان سے منحرف نہیں ہوں، میں اب بھی آپ کا موالی ہوں اور آپؑ کے دشمنوں کا دشمن ہوں، لیکن میں نے یہ شعر ''تقیہ'' کے طور پر کہا ہے۔ تب امامؑ نے اس سے فرمایا: اگر تقیہ ایسے ہی ہونے لگے تو پھر شراب بھی تقیہ کے طور پر جائز ہو جائے''۔

ان دونوں روایات سے جو نکتہ اخذ ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ تقیہ کی کچھ حدود معین ہیں جن کی مراعات ضروری ہے ورنہ تقیہ پر عمل اطاعت کے بجائے نافرمانی شمار ہوگا۔ اس لیے قاعدہ تقیہ کے مجاری کی پہچان اور تشخیص ضروری ہے ورنہ 'کمیت' جیسے برجستہ شاعر اور محبّ اہل بیتؑ کو بھی ان حدود کی شناخت نہ رکھنے کی وجہ سے امامؑ وقت کی طرف سے سرزنش کا سامنا کرنا پڑتا ہے امام کاظم علیہ السلام کی اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے بنی امیہ جیسے ظالموں کی مدح کرنے میں تقیہ جائز نہیں چونکہ ان جیسے لوگوں کی طرفداری کفر کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور گمراہی و جہالت کو فروغ دینے کا موجب بنتی ہے۔ پس کفر و ضلال کو تقویت پہنچانے والی ہر بات میں تقیہ حرام ہے خواہ وہ ایک شعر کی حد تک ہی کیوں نہ ہو۔

۲۔ شراب خوری، موزوں پر مسح اور متعہ حج میں تقیہ کی حرمت

بعض روایات میں شراب خوری، موزوں پر مسح کرنے اور متعہ حج میں تقیہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ چند روایات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ﴿عن زرارة قال: قلت له: في مسح الخفين تقية؟ فقال: ثلاثة لا أتقي فيهن أحداً: شرب المسكر، ومسح الخفين، ومتعة الحج، قال زرارة: ولم يقل الواجب عليكم أن لا تتقوا فيهن أحداً﴾

''زرارۃ سے منقول ہے کہ میں نے امام (ع) کی خدمت میں عرض کیا: کیا موزوں پر مسح کرنے

میں تقیہ ہے؟ آپؑ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سے کسی میں بھی، میں تقیہ نہیں کرتا۔ نشہ آور چیز (یعنی شراب) میں، موزوں پر مسح کرنے میں اور متعہ حج میں۔ زرارۃ کہتے ہیں امامؑ نے یہ نہیں فرمایا: کہ تم پر واجب ہے کہ ان میں سے کسی چیز میں تقیہ نہ کرو"۔ (۵)

(۲) ایک دوسری جگہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ﴿والتقية في كل شئى إلا في النبيذو المسح على الخفين﴾ (۶)

"نبیذ (شراب) اور موزوں پر مسح کے علاوہ ہر چیز میں تقیہ جائز ہے"۔

ان روایات کے مطالعے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان امور میں تقیہ کی حرمت کا فلسفہ کیا ہے اور یہ چیزیں دوسری چیزوں کے ساتھ تقیہ کرنے میں کیوں مختلف حکم رکھتی ہیں؟ بعض محققین نے اس سوال کے جواب میں کچھ توجیہات پیش کی ہیں (۷) جو یہ ہیں:

(۱) روایت میں نفی تقیہ سے مراد وہ امور ہیں کہ جن میں زیادہ مشقت نہیں ہوتی یعنی ایسی مشقت کہ جو جان و مال کے خوف کا سبب نہیں بنے۔

(۲) شاید امامؑ کی مراد یہ ہو کہ میں ان امور میں فتویٰ دینے میں کسی سے تقیہ نہیں کرتا کیونکہ ان امور کی حرمت مخالفین کی مذہب میں بھی واضح و روشن ہے۔

(۳) مذکورہ تینوں امور کے بارے میں اکثر اہل سنت انکار نہیں کرتے کیونکہ وہ متعہ حج، حرمت مسکر

---

(۵) ایضاً، ح ۵۔

(۶) ایضاً، ح ۳۔

(۷) جواہر الکلام، ج ۲، ص ۲۳۷۔

اور وضو کے بعد پاؤں دھونے کے لیے جوتے اتارنے کے منکر نہیں ہیں لہذا ان امور میں تقیہ بلاوجہ ہے۔

(۴) کیونکہ ان موارد میں کسی قسم کے ضرر ونقصان کا اندیشہ نہیں ہوتا لہذا تقیہ ضروری نہیں ہے۔

(۵) ان موارد میں ترک تقیہ کی بہترین دلیل قرآن وسنت ہے کیونکہ متعہ حج کے بارے میں قرآن میں حکم موجود ہے (۸) اور موزوں پر مسح نہ کر کے صرف پاؤں پر مسح کرنے کے بارے میں بھی قرآن میں صراحت موجود ہے۔ (۹) چونکہ پاؤں پر مسح تب ہی ہوگا جب ٹوپی یا موزے اتار کر فقط سر یا پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔ (۱۰)

(۶) پہلی روایت میں امامؑ نے "ثلاثة لا اتقی فیهن احداً" فرما کر فقط اپنا شخصی حکم بیان کیا ہے۔ چونکہ روایت کے ذیل میں زرارۃ کا یہ جملہ بھی نقل ہوا ہے کہ "ولم یقل الواجب علیکم أن لاتتقوا فیهن احداً" (۱۱)

لیکن ان تمام توجیہات کے باوجود اگر ضرورت پڑ جائے تو مذکورہ تینوں موارد میں تقیہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر جان خطرے میں ہو تو جان کی حفاظت شراب نہ پینے یا موزوں پر مسح نہ کرنے سے زیادہ اہم ہے لہذا یہاں جان کے خوف کی وجہ سے تقیہ جائز ہو جاتا ہے۔ اس بات کی

---

(۸) دیکھئے سورہ بقرہ، آیت ۱۹۶۔

(۹) دیکھئے سورہ بقرہ، آیت ۶۔

(۱۰) تقیہ سپری برای مبارزۂ عمیق تر،

(۱۱) جواہر الکلام، ج ۲، ص ۲۳۷، مرآۃ العقول، ج ۹، ص ۱۶۷۔

تائید درج ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

﴿عن أبی الورد قال:قُلتُ لأبی جعفر:"إن أباظبیان حدثنی أنه رأیٰ علیاً أراق الماء،ثم مسح علی الخفین،فقال: کذب أبوظبیان،أمابلغک قول علی علیه السلام فیکم:سبق الکتاب الخفین؟فقُلتُ:هل فیهمارخصة ؟فقال:لا،إلا من عدوتقیة ،أوثلج تخاف علیٰ رجلیک﴾(۱۲)

''ابی الوردسے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابوظبیان نے مجھ سے کہا کہ:میں(ابوظبیان)نے علی علیہ السلام کو دیکھاہے کہ انھوں نے پانی بہادیااور موزوں پر مسح کیا،امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:ابوظبیان نے جھوٹ بولاہے۔کیاتم نے علی علیہ السلام کایہ قول نہیں سنا کہ قرآن میں تمہارے لیے خفین کاحکم بیان ہوچکاہے؟میں نے عرض کی کیااس میں رخصت ہے؟توآپؑ نے فرمایا:نہیں،مگر یہ کہ دشمن سے تقیہ کے طور پر یاپاؤں کو برف سے بچانے کے لیے موزوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے''۔

صاحب جواہر بھی مذکورہ بالا احتمالات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:﴿لم نعثر علی عامل بهذا الروایة أومَن استثنیٰ ذلک من عمومات التقیة﴾(۱۳)

''میں نے کسی کو اس روایت پر عمل کرتے نہیں پایااور نہ اس مورد کو عمومات تقیہ سے استثناء کرتے دیکھاہے۔''

پس خلاصہ یہی ہے کہ مذکورہ تینوں امور میں زیادہ خوف وخطرہ نہیں ہوتااس لیے ان میں

---

(۱۲) وسائل الشیعہ ،ج۱،کتاب الطھارۃ،ابواب وضو،باب ۳۸،ح ۵۔

(۱۳) جواہر الکلام،ج ۲،ص ۲۳۷۔

تقیہ کرنا بے جا ہے چونکہ تقیہ خوف وخطرے کی صورت میں جان کی حفاظت کے لیے ہے۔ بالفرض ان امور میں بھی جان وغیرہ کا خطرہ ہو تو تقیہ جائز ہو جائے گا اور یہ (تینوں) موارد تقیہ کے مستثنیات میں سے نکل جائیں گے۔

۳۔ قتل میں تقیہ جائز نہیں

یعنی جب بھی انسان کی جان و مال یا عزت وآبرو کسی بے گناہ شخص کے قتل پر موقوف ہو جائے تو یہاں انسان اپنی جان و مال یا عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے تقیہ نہیں کرسکتا اور کسی بے گناہ کو قتل نہیں کرسکتا۔ متعدد روایات اس قسم کے تقیہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں منجملہ ایک روایت میں محمد بن مسلم امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں:

﴿اِنَّما جعلت التقية ليحقن بها الدم، فإذا بلغ الدم فليس تقية﴾ (۱۴)

''تقیہ (کا حکم) جان کی حفاظت کے لیے وضع کیا گیا ہے جب یہ خود جان لینے کا سبب بن جائے تو یہاں تقیہ جائز نہیں ہے''۔

نص کے علاوہ فتاویٰ میں بھی اس قسم کے تقیہ کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۱۵)

۴۔ آئمہ طاہرینؑ سے اظہارِ برائت میں تقیہ

آئمہ طاہرین بالخصوص امیر المومنین علی علیہم السلام سے اظہار برائت کرنے میں تقیہ کے جواز وعدم جواز کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں جن میں سے بعض عدم جواز پر دلالت کرتی

---

(۱۴) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۳۴، کتاب امر ونہی، باب ۳۱، ح ۱۔

(۱۵) السرائر، ج ۲، ص ۲۵۔ جواہر الکلام، ج ۲۲، ص ۱۶۹۔

ہیں، بعض رخصت پر دلالت کرتی ہیں اور بعض میں وجوبِ برائت پر دلالت ملتی ہے۔ اظہار برائت کے عدم جواز پر دلالت کرنے والی ایک روایت یہ ہے:

﴿عن محمد بن میمون ،عن جعفر بن محمد،عن ابیه،عن جده قال:قال اَمیرُالمئو منین (علیه السلام):ستدعون اِلی سبّی فسبّونی ،وتد عون اِلی البرائة مِنی فمدوالرقاب،فاِنی علی الفطرة﴾(١٦)

''محمد بن میمون سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد ماجد سے نقل کیا ہے کہ: امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا: عنقریب تم کو مجھے بُرا کہنے کے لیے کہا جائے گا، تم مجھے (العیاذ باللہ) بُرا کہہ دینا (پھر) تمہیں مجھ سے اظہارِ برائت کرنے کو کہا جائے گا، تم اپنی گردن کٹا دینا (مگر مجھ سے اظہارِ برائت نہ کرنا) چونکہ میں فطرت اسلام پر ہوں''۔

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''سب'' کرنے میں تقیہ جائز ہے لیکن اظہار برائت میں جائز نہیں۔ اسی مضمون کی ایک روایت علی بن الخزاعی نے امام رضا علیہ السلام سے بھی نقل کی ہے۔(١٧) اسی طرح بعض دوسرے منابع میں بھی اس قسم کی روایات ملتی ہیں۔

رخصت پر دلالت کرنے والی ایک روایت یہ ہے:

﴿محمد بن مسعود العیاشی فی (تفسیره)عن اَبی بکر الحضرمی ،عن اَبی عبدالله(علیه السلام).فی حدیث .اَنه قیل له : مدالرقاب اَحبّ الیک اَم البرائة مِن علی (علیه السلام) ، فقال: الرخصة اَحبّ اِلَیَ،اَمّاسمعتَ قول اللهِ عّزوجل

---

(١٦) وسائل الشیعه ، ج١٦،ص ٢٢٨، کتاب امر ونہی، باب ٢٩، ح ٨۔

(١٧) ایضاً، ح ٩۔

فی عمار: ''اِلّاَ مَن اُکرِہَ وَ قَلبُہُ مُطمَئِنّ بِالاِیمَانِ﴾(۱۸)

''محمد بن مسعود عیاشی اپنی تفسیر میں ابو بکر حضرمی کے حوالے سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ امام کی خدمت میں عرض کیا گیا: آپ کو گردن کٹا دینا پسند ہے یا علی علیہ السلام سے اظہارِ برائت کرنا؟ آپ نے فرمایا: مجھے رخصت پسند ہے۔ کیا تم نے عمارؓ کے بارے میں خداوند عزوجل کا یہ قول نہیں سنا: ''مکروہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو''۔

وجوب برائت (۱۹) پر دلالت کرنے والی ایک روایت یہ ہے:

﴿عن مسعدة بن صدقه قال :قلتُ لاَبی عبدالله(علیه السلام):إنَّ النَّاس یَرَونَ أنَّ عَلیًّا(علیه السلام)قال علی منبر الکوفة:أیُّهَاالنَّاس اِنَّکُم سِتِدعونَ إلی سبّي فَسبّونی،ثم تدعون إلیٰ البراء ةمِنّی فلا تَبرَؤوا منّی،فقال:ماأکثر مایکذب الناس علیٰ علی(علیه السلام)ثم قال:إنّماقال:إنَّکُم سَتَدعونَ إلیٰ سبّي فسبّونی،ثم تَدعونَ إلیٰ البراء ـةمِنی وَإنّي لعلیٰ دین محمد (صلی اللهعلیه وآله)ولم یقل:وَلاتبرؤوامِنّی،فقال له السائل:أرأیت أن أختار القتل دون البراء ـة،فقال:واللهماذلک علیه وماله إلّامامضٰی علیه عماربن یاسر حیث أکرهه أهل مکّةوقلبه مطمئن بالإیمان،فأنزل اللهعزوجل فیه''إلّامَن أُکرِہَ وَقَلبُہُ مُطمَئِنٌّ بِالإِیمٰانَ'' فقال له النبّی (ص) عندها: یاعمار إن عادوافعد، فقدأنزل الله عزرک

---

(۱۸) ایضاً، ح ۱۲۔

(۱۹) الرسائل العشرہ (رسالۃ فی التقیہ)، ص ۲۸۔

وأمرک أن تعدد إن عادوا﴾(۲۰)

"مسعدۃ بن صدقہ سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: لوگ کہتے ہیں کہ: علی علیہ السلام نے منبر کوفہ سے اپنے خطاب میں فرمایا: اے لوگو! عنقریب تم کو مجھ پر سب وشتم کرنے پر مجبور کیا جائے گا تو اس وقت تم مجھ پر سب وشتم کر سکتے ہو۔ پھر تمہیں مجھ سے اظہار برائت کے لیے کہا جائے گا، تم مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا.......... اس پر امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: لوگ علی علیہ السلام کے بارے میں کس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔ حالانکہ علی علیہ السلام نے یوں فرمایا تھا: "تمہیں مجھ پر سب وشتم کرنے کے لیے کہا جائے گا تو کر دینا۔ پھر اظہار برائت کے لیے کہا جائے گا تو یاد رکھو میں دین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ہوں۔ آپؑ نے یہ نہیں فرمایا: "مجھ سے اظہار برائت نہ کرنا"۔ اس پر سائل نے (امام صادق علیہ السلام سے) عرض کی: کیا آپ فرماتے ہیں کہ میں اظہار برائت کے بجائے قتل ہو جاؤں؟ تو آپؑ نے فرمایا: "حضرت علی علیہ السلام کی مراد یہ نہیں، اس سے مراد عمار بن یاسر کا طریقہ ہے جو انھوں نے کفار مکہ کے مجبور کرنے پر اختیار کیا تھا، جبکہ ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا۔ جس پر خداوند متعال یہ آیت نازل فرمائی "مگر وہ شخص جس کو مجبور کیا جائے حالانکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو"، تو رسول خدا نے عمارؓ سے فرمایا: اے عمارؓ! اگر وہ لوگ دوبارہ مجبور کریں تو تم پھر وہی کرو، خداوند نے تیرے عذر سے مجھے آگاہ کر دیا ہے اور حکم دیا ہے کہ اگر وہ تمہیں پھر مجبور کریں تو وہی طریقہ اختیار کرو"۔

اس حدیث میں امام صادق علیہ السلام نے حضرت عمارؓ کے قصہ سے استشہاد کر کے

(۲۰) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۲۹، کتاب امر ونہی، باب ۲۹، ح ۲۔

وجوب تقیہ کی نفی کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہاں تقیہ کرنا حرام نہیں بلکہ تقیہ کے طور پر برائت کی جاسکتی ہے۔آئمہ طاہرینؑ سے تقیہ کے طور پر اظہار برائت کے جواز وعدم جواز کے متعلق منقول روایات میں بظاہر تضاد وتناقض نظر آتا ہے اور یہ جاننا مشکل ہو جاتا ہے کہ اظہار برائت کا مسئلہ مستثنیات تقیہ میں سے ہے یا نہیں؟ لیکن اگر ان روایات کو سند و متن کے لحاظ سے زمان ومکان کے تقاضوں اور متقی (تقیہ کنندہ) افراد کی شخصیت واجتماعی حیثیت کے اعتبار سے عقل ودرایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو ان کا تضاد وتناقض ختم ہو جاتا ہے اور ان روایات میں ایک قسم کا ارتباط ونظم برقرار ہو جاتا ہے۔لہذا اس قسم کی روایات کو دقیق طور پر سمجھنے کے لیے چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کے فرمودات کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہ حضراتؑ زمان ومکان کے تقاضوں اور مخاطبین کے ایمانی درجات فہم وشعور اور صبر واستقامت کو مدنظر رکھ کر کوئی حکم صادر فرماتے تھے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض روایات میں ایک موضوع کے بارے میں مختلف حکم ملتے ہیں۔اس کا فلسفہ یہی تھا کہ آئمہ اطہارؑ مخاطب کی شخصیت، فہم وشعور اور زمان ومکان کے تقاضوں کے مطابق حکم اوّلی وحکم ثانوی بیان فرماتے تھے چونکہ امام معصوم سے زیادہ کون حکم اولی وحکم ثانوی کے موقع ومحل کی تشخیص کرسکتا ہے۔اسی لیے آئمہ اطہارؑ بالخصوص امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے اظہار برائت کے بارے میں تقیہ کرنے کے جواز وعدم جواز کا حکم بھی مختلف ملتا ہے چونکہ آئمہ طاہرینؑ کے مخاطبین نہ صرف اپنے زمانے کے لوگ تھے بلکہ اپنے علم لدنی کی وجہ سے وہ حکم بیان کرتے وقت آئندہ زمانے کے حالات کو بھی مدنظر رکھتے تھے۔چونکہ اظہار برائت کا مسئلہ ہر زمانے میں اور ہر قسم کے اشخاص کو پیش آسکتا ہے۔لہذا روایات میں ان سب چیزوں کو مدنظر رکھ کے حکم دیا گیا ہے چونکہ تقیہ کا فلسفہ نہ فقط مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت ہے بلکہ اس سے

بڑھ کر اساس دین ومذہب کی حفاظت بھی ہے۔ہوسکتا ہے ایک وقت اظہار برائت کرنے سے پورے دین ومذہب کی اساس ہی خراب ہوجائے اورایک وقت اظہار برائت نہ کرنے سے دین پرتو کوئی حرف نہ آئے لیکن کئی قیمتی جانیں بغیر کسی اہم فائدے کے ضائع ہوجائیں اس مسئلہ کواگرتاریخ کے تناظر میں دیکھاجائے تواس مسئلہ کافہم آسان ہوجاتا ہے۔ایک زمانہ وہ تھا کہ جب بنی امیہ وبنی عباس جیسے دشمنان اسلام اپنے دینوی اقتدار کی خاطر رسول اسلامؐ کے حقیقی جانشینوں یعنی آئمہ طاہرینؑ کے نام ونشان کوصفحہ ہستی سے مٹادینا چاہتے تھےاورمختلف حیلوں بہانوں سے امت اسلام کوان ذوات مقدسہ سے دوررکھنے کے لیے اہل بیتؑ سے اظہار برائت پرمجبورکرتے تھے ایسے حالات میں ان ذوات قدسیہ سے اظہار برائت کے سلسلے میں تقیہ کرنااورآئمہ اہل بیتؑ کے مذہب ومشن سے اظہار برائت کرنا،دشمنوں کے اہداف کی تکمیل کے مترادف تھا۔اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہ السلام کے باوفااصحاب اورساتھیوں میں سے کوئی بھی شخص ایسانظرنہیں آتاجس نے آئمہ سے برائت کااظہارکیاہو یااس سلسلے میں تقیہ جیسی رخصت سے استفادہ کیاہو،سوائے یہ کہ خودآئمہؑ نے اسے اس کام پرمأمورکیاہو چنانچہ حجر بن عدی،میثم تمار،عمروابن الحمق،عبداللہ بن عفیف،سعید بن جبیر رضوان اللہ علیہم نے فقط آئمہ اہل بیتؑ سے اپناقوی ارتباط برقراررکھنے کے جرم میں اپنی جانیں قربان کرڈالیں اورکسی بھی مقام پرتقیہ کوسپر بناتے ہوئے آئمہؑ سے اظہار برائت نہیں کیاچونکہ یہ لوگ مکتب اہل بیتؑ کے پرورش یافتہ تھےاورتعلیمات اہل بیتؑ سے مکمل طور پرآگاہ ہونے کی وجہ سے حکم اولی وحکم ثانوی کی بہترتشخیص دے سکتے تھےلہذاان مقدس ومتشرع افراد کی سیرت ایسے نازک وحساس موقعوں پرترک تقیہ کے رجحان پربہترین دلیل ہے اورآئمہ معصومینؑ کی ان روایات کی تائید کرتی ہے کہ جن میں اظہار برائت میں ترک تقیہ کاحکم

ملتا ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک ایسا زمانہ ہے کہ جس میں آئمہ طاہرین علیہ السلام سے اظہار برائت کرنے یا نہ کرنے سے کسی دینی ومذہبی اساس پر خدشہ وارد ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا یا اظہار برائت پر مجبور ہونے والے افراد بھی کسی قسم کی دینی ومذہبی شخصیت کے حامل نہیں ہیں یعنی عام لوگ ہیں اور ان کے کسی قول وفعل سے اساس دین ومذہب کے بگڑنے کا اندیشہ نہیں ہے اس صورت میں ان عام مؤمنین کی جانیں اگر آئمہ معصومینؑ سے ظاہری ارتباط کٹ جانے یا اظہار عقیدہ نہ کرنے کی وجہ سے محفوظ رہ جاتی ہیں تو اس کے لیے تقیہ کرنا یقیناً عقل وشرع کے مطابق ہوگا۔ بالفرض اگر وہ اپنے جذبات واحساسات کے تحت تاثیر آئمہ اطہارؑ سے اظہار عقیدت کرنے کی وجہ سے اپنی اور دوسرے مؤمنین کی جانوں کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ان کے اس عمل سے بلا وجہ جانوں کے تلف ہوجانے کے سوا اور کوئی عقلی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو یہاں آیہ مجیدہ ﴿لاتُلقُوا بِأيدِيكُم إلىٰ التَّهلُكة﴾ (۲۱) کی مخالفت کے سبب ان کا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خلاف عقل وشرع محسوب ہوگا۔

لہذا تقیہ کے وجوب وعدم وجوب میں موقع ومحل کی تشخیص اور تقیہ کرنے والے افراد کی موقعیت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے فقہاء نے تقیہ کو احکام خمسہ (واجب، مستحب، مکروہ، حرام اور مباح) میں تقسیم کیا ہے۔ ہمارے اس بیان کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک روایت ہے کہ ﴿عن محمد بن مروان قال: قال لی أبو عبداللہ علیہ السلام: مامنع میثم

---

(۲۱) سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۵۔

رحمه الله من التقية؟ فوالله لقد علم إنّ هذه الآية في عمار وأصحابه: "إِلَّا مَن أُكرِهَ وَقَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإِيمانِ﴾ (۲۲)

''محمد بن مروان سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: میثم پر خدا رحمت کرے اس کو کس چیز نے تقیہ سے روکا ہے؟ خدا کی قسم! وہ جانتا تھا کہ یہ آیت ''إِلَّا من اکرہ وقلبہ......الخ'' عمار اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے''۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امامؑ ،میثم ؓ کی موقعیت اور عمارؓ کی موقعیت میں فرق بتانا چاہتے ہیں یعنی حضرت میثم ؓ ،حضرت عمارؓ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ اکراہ کی صورت میں تقیہ کا حکم بھی موجود ہے لیکن وہ آئمہ اطہارؑ سے اپنی غیر معمولی وابستگی اور اپنے زمانے کے تقاضوں کا ادراک رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ عمارؓ کے زمانے میں اور میرے زمانے میں فرق ہے عمارؓ کے زمانے میں مؤمنین کی تعداد انتہائی کم تھی ایک مؤمن کا فقدان بھی اسلام کے لیے غیر معمولی نقصان تھا لہذا کفار ومشرکین کے مقابلے میں تقیہ کرنا ہی ان کا فریضہ تھا جبکہ بنی امیہ کے مقابلے میں آئمہ اطہارؑ سے اظہار عقیدت میرے جیسے شخص کا فریضہ ہے۔ پس انھوں نے اپنے بلند مقام ومرتبہ کے ساتھ قتل ہو جانے کو ترجیح دی اور آئمہؑ سے برائت کرنے میں تقیہ نہیں کیا۔ اس روایت سے موارد تقیہ میں فرق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات ترک تقیہ رجحان رکھتا ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ کے دوسرے موارد کی طرح اظہار برائت کے سلسلے میں بھی تقیہ کرنے یا نہ کرنے میں زمان ومکان اور متقی (تقیہ کنندہ) افراد کی موقعیت کو گہرا دخل

---

(۲۲) وسائل الشیعہ ،ج ۱۶،ص ۲۲۶، کتاب امر ونہی، باب ۲۹، ح ۳۔

حاصل ہے۔پس یہ مسئلہ فقط بنی امیہ و بنی عباس کے دور سے ہی مختص نہیں بلکہ آج کے زمانے میں بھی اظہار برائت کے سلسلے میں تقیہ کے موارد کی تشخیص ضروری ہے بالخصوص ہمارے ملک میں انقلاب اسلامی کے بعد جو حالات پیدا ہو چکے ہیں اور دشمنان اسلام اہل بیت اطہارؑ سے اظہار عقیدت و مودّت کے جو اثرات دیکھ چکے ہیں جن کے بعد وہ ان ذوات مقدسہ کی عقیدت اور مودّت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور اہل بیتؑ سے اظہار برائت کروانے کے لیے قلم و بیان جیسے سرد ہتھیاروں سے لیکر کلاشنکوفوں جیسے گرم ہتھیاروں تک استعمال کر رہے ہیں ایسے موقع پر اگر کوئی بلند پایہ مذہبی و دینی شخصیت اہل بیت اطہارؑ سے اظہار برائت کرنے یا اس سے ملتا جلتا کوئی فعل انجام دینے پر مجبور کی جاتی ہے تو یہاں اس کا وہی فریضہ ہے جس پر حجر بن عدی و میثم تمار جیسے بزرگوں نے عمل کیا تھا اور تقیہ ترک کرتے ہوئے اپنی جانوں کے بدلے عقیدت و مودّت اہل بیتؑ کے نوخیز پودے کو پروان چڑھایا تھا اگر اس سلسلے میں یہ مذہبی و دینی شخصیت تقیہ کو بہانہ بنا کر کسی قسم کی کوتاہی کا مظاہرہ کرتی ہے تو یہ اس کا اپنے فرائض سے فرار اور آئمہ اہل بیتؑ کے مشن سے جنایت کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا جبکہ اس کے مقابلے میں عام لوگوں کا فریضہ یہی ہے کہ وہ بغیر کسی عقلی فائدے کے اپنی اور دوسرے مؤمن کی جانوں کو تلف ہونے سے بچائیں اور ایسا کوئی جذباتی قدم نہ اٹھائیں جس کا نتیجہ قیمتی جانوں کے تلف ہونے کے سوا اور کچھ نہ ہو۔پس اظہار برائت کے سلسلے میں منقول روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعض موارد میں یہ روایات اظہار برائت کو مستثنیات تقیہ میں سے قرار دیتی ہیں اور بعض دوسرے موارد میں اظہار برائت مستثنیات تقیہ میں سے نہیں ہوگا بلکہ وہاں تقیہ کرنا ہی فریضہ قرار پائے گا۔

☆☆☆☆☆

پانچویں فصل:

تقیہ سے متعلق چند مسائل

(۱) خلافِ تقیہ عمل کرنے والے کا حکم

جس شخص کا فریضہ تقیہ پر عمل کرنا تھا اگر وہ تقیہ کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہے؟ مثلاً ایک شخص ایسے حالات و ماحول سے دوچار ہو جاتا ہے کہ جہاں اسے تقیہ کے طور پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنی چاہیئے لیکن وہ تقیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتا ہے۔ آیا اسکی نماز صحیح ہوگی یا باطل؟ اسی طرح بہت سے دوسرے موارد پیش آسکتے ہیں جن میں تقیہ کے خلاف عمل کیا جاتا ہے تو یہاں فقہاء اور علماء نے مختلف احکام وفتاوی بیان کیئے ہیں۔ لہذا ذیل میں چند نظریات کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

شیخ انصاریؒ (م ۱۲۸۱ھ)

شیخ انصاریؒ اس مسئلہ میں تفصیل کے قائل ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس عمل میں تقیہ کی مخالفت کی جارہی ہے اگر وہ عمل عبادت کے ساتھ متحد ہے تو یہاں وہ عمل باطل ہوگا ۔ مثلاً تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ خاک شفا پر سجدہ نہ کیا جائے بلکہ عام فرش پر سجدہ کیا جائے تو یہاں خاک شفا پر سجدہ کرنا سجدے کے بطلان کا باعث ہوگا۔

اس کے برعکس اگر خلاف تقیہ عمل، عبادت کے ساتھ متحد نہ ہو بلکہ عبادت سے باہر کوئی عمل ہو، مثلاً جہاں تقیہ کی وجہ سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا واجب ہو، وہاں ہاتھ کھول کر نماز پڑھی جائے تو یہ خلاف تقیہ، عمل باطل نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تقیہ کی حالت میں خاک شفا پر سجدہ کرنا شریعت

نے ممنوع قرار دیا ہے لیکن مکلّف عبادت کی حالت میں ''نہی'' کا مرتکب ہو رہا ہے جو کہ حرام ہے ۔کیونکہ فعل حرام کے ذریعے قرب الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ یہاں شارع نے ایسی چیز (خاک شفا پر سجدہ کرنے) سے روکا ہے جو عبادت (سجدے) کے ساتھ متحد ہے۔اس کے برعکس ہاتھ باندھنا عبادت کے ساتھ متحد نہیں بلکہ ایک خارجی امر ہے لہذا مکلّف ،عبادت کے ساتھ متحد منہی عنہ چیز کا مرتکب نہیں ہو رہا پس اس کا عمل صحیح ہے۔اگرچہ وہ گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔لیکن اس کی نماز صحیح ہے۔(۱)

سید محمد کاظم یزدیؒ (م ۱۳۳۷ھ)

صاحب عروۃ الوثقی ،سید محمد کاظم یزدیؒ کا نظریہ ہے کہ جہاں تقیہ واجب ہو اور وہاں تقیہ نہ کیا جائے تو خلاف تقیہ عمل باطل ہوگا۔مثلاً تقیہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکلّف جو راب پر مسح کرے لیکن وہ تقیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جلد پر مسح کرتا ہے تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوگا۔(۲)

امام خمینیؒ (م ۱۴۰۹ھ)

اس سلسلہ میں امام امتؒ نے پہلے وجوب تقیہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک وہ تقیہ کہ جو مقدمہ کے طور پر واجب ہوتا ہے مثلاً جان و مال اور عزت و آبرو کے خوف کی وجہ سے واجب ہونے والا تقیہ۔دوسرا وہ تقیہ کہ جو مقدمہ کے طور پر واجب نہیں بلکہ لنفسہٖ واجب ہے۔جیسا کہ روایات میں ''اذاعہ'' (افشاء) کے مقابلہ میں جو تقیہ واجب قرار دیا گیا ہے وہ لنفسہٖ واجب ہے یعنی مذہب کی حفاظت اور اہل بیت اطہارؑ کے اسرار کو پنہاں رکھنے کی خاطر تقیہ کرنا لنفسہٖ واجب ہے۔

---

(۱) کتاب المکاسب (رسالۃ فی التقیۃ)، ج ۳، ص ۱۴۰۔

(۲) عروۃ الوثقیٰ ،باب وضو، مسئلہ ۳۶۔

اس کے بعد امام خمینیؒ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی تقیہ کو ترک کرے اور خلاف تقیہ عمل انجام دے تو قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا عمل صحیح ہے خواہ ہم اس تقیہ کو لنفسہٖ واجب کیوں نہ سمجھیں (۳)

پس امام امتؒ کے نزدیک تقیہ کی خلاف ورزی کرنے والے کا عمل صحیح ہوگا۔

آیت اللہ خوئی (م ۱۴۱۳ھ)

آیت اللہ خوئیؒ بھی اس مسئلہ میں تفصیل کے قائل ہیں لہذا انھوں نے اس مسئلہ کو چند صورتوں میں بیان کیا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی معاملات میں تقیہ کو ترک کرتا ہے اور حکم واقعی (اولی) پر عمل کرتا ہے مثلاً تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دو غیر عادل گواہوں کے سامنے طلاق دے لیکن مُکَلَّف تقیہ کو ترک کرتے ہوئے دو عادل گواہوں کے سامنے اپنی زوجہ کو طلاق دیتا ہے (اور انھیں طلاق پر شاہد بناتا ہے) تو اس میں کوئی اشکال نہیں اور اس کا یہ معاملہ صحیح ہوگا اگر چہ ترک تقیہ حرام ہے لیکن معاملات میں نہی فساد پر دلالت نہیں کرتی اور پھر یہاں یہ معاملہ اپنی تمام قیود و شروط کے ساتھ طے پایا ہے پس معاملہ صحیح ہے گو کہ مکلّف نے تقیہ نہ کرنے کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ (۴)

رہی بات عبادات کی تو اس میں دو صورتیں ہیں:

اول: تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے اور حمد کے بعد ''آمین'' کہا جائے لیکن مکلّف تقیہ کی مخالفت کرتے ہوئے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتا ہے اور حمد کے بعد آمین بھی نہیں کہتا تو اس کا یہ عمل حکم وضعی کے لحاظ سے صحیح ہے اگر چہ حکم تکلیفی کے لحاظ سے وہ معصیت کا مرتکب ہوا ہے۔

---

(۳) الرسائل العشرہ (رسالۃ فی التقیۃ) ص ۳۶ و ۳۷۔

(۴) التنقیح فی شرح عروۃ الوثقی، ج ۴ (کتاب طہارت) ص ۳۲۴۔

دوم: تقیہ کا تقاضا یہ ہے کہ (عبادت میں) فلاں فعل ترک کیا جائے مثلاً قنوت نہ پڑھی جائے لیکن مکلّف قنوت پڑھتا ہے اور جو کلمات نماز میں ''منہی عنہ'' تھے وہ زبان پر جاری کر دیتا ہے تو یہاں بھی اس کی عبادت صحیح ہے اگر چہ وہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے۔

ان دونوں صورتوں پر غور سے پتہ چلتا ہے کہ ایک فعل کو ترک نہ کرنا (یعنی ہاتھ کھولنے کو ترک نہ کرنا) یا دوسری صورت میں کسی منہی عنہ کو انجام دینا (یعنی قنوت پڑھنا) نہ تو نماز کا جز ہے اور نہ ہی شرط۔ لہذا اس کا خلاف تقیہ عمل کرنا نماز کے بطلان کا باعث نہیں بنتا۔ لیکن اگر وہ عمل، اجزائے نماز یا شرائط نماز سے ہوتا اور تقیہ کے طور پر اسے ترک کرنا واجب ہوتا تو اس کا یہ فعل حرام ہو جاتا اور عبادت بھی باطل ہو جاتی۔ چونکہ اس نے عبادت کے اجزاء و شرائط کے بارے میں حکم تقیہ کی مخالفت کی ہے مثلاً تقیہ کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ایسی چیز پر سجدہ کرے جس پر سجدہ جائز نہیں لیکن مکلّف تقیہ کی مخالفت کرتے ہوئے خاک شفاء وغیرہ پر سجدہ کرتا ہے تو اس کا یہ فعل حرام ہے اور عبادت بھی باطل ہے (چونکہ سجدہ جز نماز ہے)۔(۵)

آیت اللہ بجنوردیؒ (م ۱۳۹۵ھ)

مسئلہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: جہاں تقیہ کے طور پر ہاتھ باندھنا اور آمین کہنا ضروری تھا اگر وہاں اسے ترک کیا جائے تو یہ نماز کے بطلان کا موجب نہیں بنتا اگر چہ ترک تقیہ کرنے سے انسان گناہگار ہو جاتا ہے۔(۶)

آیت اللہ حکیمؒ (م ۱۳۹۰ھ): اس کا عمل درست ہے لیکن وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے۔(۷)

---

(۵) ایضاً

(۶) القواعد الفقہیۃ، ج ۵، ص ۷۸۔

(۷) مستمسک، ج ۲، ص ۴۱۰۔

۲۔تقیہ میں اِجزا وعدم اِجزا کی بحث

تقیہ پر عمل کرنے کے بعد اگر تقیہ کا سبب ختم ہوجاتا ہے اور پھر تقیہ کی ضرورت نہیں رہتی تو کیا تقیہ کی حالت میں انجام پانے والا عمل مجزی وکافی ہے یا اس عمل کو دوبارہ بجالانا چاہیئے؟ یعنی اگر وقت ہو تو دوبارہ اپنے وقت کے اندر بجالانا چاہیئے یا اگر وقت گزر جائے تو اس کی قضا بجالانی چاہیئے؟ مثلاً کسی نے اسباب تقیہ میں سے کسی سبب کی بناء پر ظہر کی نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی ہے نماز پڑھنے کے بعد تقیہ کا سبب ختم ہوجاتا ہے اور وہ شخص تقیہ کی حالت سے نکل آتا ہے اور ابھی تک نماز ظہر کا وقت بھی باقی ہے تو آیا اسے، اس (تقیہ کی حالت میں پڑھی گئی) نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے یا نماز کا وقت ختم ہوجانے کی صورت میں اسے، اس نماز کی قضا بجالانی چاہیئے؟ یا وہی تقیہ کے طور پر پڑھی گئی نماز ہی مجزی وکافی ہے؟

اس سلسلہ میں کہ آیا عبادات میں تقیہ پر عمل اِجزاء کا موجب ہے یا نہیں؟ مختلف اقوال وفتاویٰ ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اطلاقات ادلہ تقیہ کا اقتضاء ''اِجزاء'' اور ''عدم اعادہ وقضا'' ہے۔ اسی طرح شارع کی طرف سے تقیہ کا امر ہوا ہے اور اوامر میں اصل، اِجزاء ہے اور کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو اس اِجزاء کو رد کرے۔ آئمہ اطہارؑ سے منقول روایات کے اطلاق کو ہم تقیہ کی تمام بیان شدہ اقسام میں ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ یعنی خواہ تقیہ اضطراریہ ہو یا مدراتیہ یا کسی خلاف حق بات میں تقیہ کیا جائے سب میں روایات کا اطلاق اِجزاء پر دلالت کرتا ہے۔(۸)

اسی طرح تقیہ کے طور پر بجائے لائے جانے والے عمل کے مجزی وکافی ہونے پر عقلی دلیل بھی موجود ہے۔ اور وہ ''بدل ومبدل منہ'' کے اجتماع کا قبیح ہونا ہے۔ یعنی اگر شارع حکم اولی کے

---

(۸) الرسائل العشرہ (رسالۃ فی التقیۃ) ص ۴۱ تا ۵۸۔

بجائے حکم ثانوی کولازم قرار دیتا ہے کہ جو حکم اولی کا بدل ہے تو حکم ثانوی کے بعد حکم اولی (مبدل منہ) کو دوبارہ بجالانے کا حکم بدل ومبدل منہ کے اجتماع کا حکم ہوگا جو خداوند جیسے حکیم مطلق سے صادر نہیں ہوسکتا۔

تقیہ کے طور پر انجام پانے والے معاملات (عقود وایقاعات) میں بھی بعض علماء عبادات کی مانند اجزاء کے قائل ہیں یعنی تقیہ کی حالت میں انجام پانے والا معاملہ مجزی وکافی ہے۔(۹) لیکن بعض دوسرے فقہاء تقیہ کے طور پر انجام پانے والے معاملات کو مجزی وکافی نہیں جانتے۔(۱۰)

۳۔تقیہ کا سبب خوف شخصی ہے یا خوف نوعی؟

عقلاء کے نزدیک خوف کی صورت میں تقیہ کرنا جائز ہے خواہ اس خوف کا گمان ہو یا شک بلکہ احتمال ضعیف بھی ہو تو یہ خوف معتبر سمجھا جاتا ہے۔البتہ خوف کی دو صورتیں ہیں: ایک خوفِ شخصی ہوتا ہے دوسرا نوعی۔

خوفِ شخصی کی صورت میں موضوع تقیہ کے ثبوت میں کوئی شک وشبہ نہیں۔یعنی کسی شخص کو یہ خوف ہو کہ اگر مخالفین کے ساتھ موافقت نہ کی تو جان ومال اور عزت وآبرو خطرے میں پڑ جائے گی تو یہاں تقیہ کے ثابت ہونے میں کوئی شک نہیں دوسرے الفاظ میں یہ صورت تقیہ کے کھلے مصادیق میں سے ہے۔ جس کی تائید روایات سے ہوتی ہے کہ جن میں تقیہ کو ڈھال وسپر کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے ۔ خوف شخصی کی بناء پر تقیہ کے ثبوت پر دلالت

---

(۹) کتاب المکاسب، ج ۳ (رسالۃ فی التقیۃ) ص ۱۴۲۔

(۱۰) القواعد الفقیہہ، ج ۵، ص ۵۷۔

کرنی والی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے:

﴿قال امیر المؤمنین علی علیه السلام: التقیة من أفضل اعمال المؤمن یصون بهانفسه وإخوانه عن الفاجرین الخ﴾(۱۱)

''تقیہ مومن کے ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعہ وہ ظالموں سے اپنے آپ کو اور اپنے (دینی) بھائیوں کو محفوظ رکھتا ہے.....'' ایک دوسری روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

﴿ولایحلّ قتل أحد من الکفار والنهاب فی التقیة إلاقاتل أوساع فی فساد، وذلک إذالم تخف علی نفسک ولاعلی أصحابک واستعمال التقیة فی دار التقیة واجب﴾(۱۲)

''تقیہ کے زمانے میں کسی بھی کافر و ناصبی (دشمن اہل بیتؑ) کو قتل کرنا جائز نہیں مگر یہ کہ وہ قاتل و مفسد فی الارض ہو۔ البتہ ایسے آدمی کو اس وقت تک قتل نہ کیا جائے جب تک تمہیں اپنی یا اپنے دوستوں کی جان کا خطرہ نہ ہو''۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ کا ایک کھلا مصداق خوف شخصی ہے۔

خوف کی دوسری قسم خوف نوعی ہے یعنی ترک تقیہ سے اور مخالفین کے ساتھ موافقت نہ کرنے سے انسان کی اپنی جان و مال اور عزت و ناموس کو تو کوئی خطرہ نہ ہو لیکن اس کے دینی بھائیوں اور ہم مذہبوں کی جان و مال اور عزت و آبرو خطرے میں پڑ جائے یا اس کے مذہب کی

---

(۱۱) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۲۲۔

(۱۲) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۲۱۰، کتاب امر و نہی باب ۲۴۔

شناخت کر لی جائے تو یہاں خوف نوعی ہے نہ خوف شخصی۔

بظاہر اس میں بھی تقیہ واجب ہے (۱۳) کیونکہ بعض اوقات اس صورت میں تقیہ نہ کرنا خود امامؑ یا پوری قوم کو ضرر و نقصان پہنچنے کا موجب بنتا ہے اور شاید یہی مورد ''اذاعہ'' (افشاء) کہلاتا ہے جسے روایات میں تقیہ کے مقابلے میں قرار دیا گیا ہے مثلاً عبداللہ بن اَبی یعفور سے منقول ہے کہ:

﴿إتقوا علىٰ دينكم و أحجبوه بالتقيه﴾' (۱۴)

''اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے اسے ''حجاب تقیہ'' سے محفوظ کر لو''۔

اس قسم کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مذہب حقہ سے مختص احکام کی معرفت اور مخالفین سے اس کا پنہان رکھنا ہی مطلوب ہے۔ پس روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقیہ کا دارومدار فقط خوف شخصی ہی نہیں بلکہ خوف نوعی بھی محور تقیہ ہے۔ (۱۵)

۴۔ بحث مندوحہ

مندوحہ سے مراد یہ ہے کہ مکلّف (حالت تقیہ میں) اپنی عبادت کو تمام (ضروری) اجزاء و شرائط کے ساتھ انجام دینے کی قدرت رکھتا ہو اور تقیہ سے فرار کر سکتا ہو۔ مثلاً اگر اسے کسی واجب موسع میں تقیہ کرنا پڑ جائے تو وہ اس وقت عمل بجالانے کے بجائے اس کی بجا آوری کسی دوسرے وقت تک اٹھا رکھے۔ یا وہ کسی ایسی جگہ عمل انجام دے کہ جہاں اسے کسی دشمن کا خوف نہ ہو کہ جس

---

(۱۳) القواعد الفقھیہ، ج ۵، ص ۶۷۔

(۱۴) اصول کافی، ج ۲، ص ۲۲۵، باب التقیہ۔

(۱۵) تفصیل کے لئے دیکھیں، القواعد الفقھیہ، ج ۵، و کتاب المکاسب (رسالۃ التقیۃ) ص ۲۲۔

سے وہ تقیہ کرے یا وہ اس طرح عمل انجام دے کہ وہ عمل بھی اس کے نزدیک صحیح اور حق کے مطابق انجام پا جائے اور تقیہ بھی برقرار رہے۔ یہاں پہلی قسم کو مندوحہ طولیہ کہتے ہیں کہ جہاں واجب موسع ہو اور عمل کا وقت وسیع ہو۔ اگر وہ صبر کرے تو بغیر تقیہ کے عمل بجالا سکتا ہے۔ دوسری اور تیسری صورت کو مندوحہ عرضیہ کہتے ہیں یعنی جہاں عمل کا وقت وسیع نہیں بلکہ تنگ ہے یا وہ عمل اس طرح انجام دیتا ہے کہ تقیہ بھی برقرار رہتا ہے اور عمل بھی حق کے مطابق انجام پا جاتا ہے مثلاً وہ مخالفین کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے حصیر کی چٹائی پر نماز پڑھے جہاں اسے خاک شفا کی ضرورت نہیں رہتی۔ (۱۶)

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امر واقعی ثانوی پر عمل کرتے ہوئے تقیہ کے طور پر کوئی عمل بجالاتا ہے تو کیا اس میں عدم مندوحہ (راہ فرار کے نہ ہونے) کی شرط ہے یا نہیں؟ یعنی تقیہ وہاں ہی ہوگا جہاں (تقیہ سے) راہ فرار نہ ہو یا ایسی کوئی شرط نہیں، مندوحہ ہو یا نہ ہو تقیہ کی مشروعیت ثابت ہے۔

بعض روایات میں مندوحہ کو معتبر جانا گیا ہے یعنی اگر راہ فرار (مندوحہ) ہو تو تقیہ کے مطابق عمل کافی نہیں کیونکہ تقیہ فقط ضرورت کے وقت مجزی و کافی ہوگا۔ بعض روایات میں مندوحہ کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے خواہ مندوحہ طولیہ ہو یا عرضیہ۔ روایات کی طرح تقیہ میں اعتبار مندوحہ کے بارے میں فقہاء کے اقوال بھی مختلف ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

شہیدین ؒ کا قول:

شہید اول ؒ اور شہید ثانی ؒ مطلقاً عدم مندوحہ کے معتبر نہ ہونے کے قائل ہیں یعنی تقیہ

---

(۱۶) القواعد الفقیہ، ج ۵، ص ۶۹۔

ہر حال میں درست ہے خواہ اس سے فرار ممکن ہو یا نہ ہو۔(۱۷) صاحب مدارک مطلقاً عدم مندوحہ کے معتبر ہونے کے قائل ہیں یعنی ہر صورت میں راہ فرار کا نہ ہونا معتبر ہے۔(۱۸)

محقق ثانیؒ کا قول:

تیسرا قول تفصیل پر مبنی ہے یعنی اگر متعلق تقیہ کوئی ایسا فعل ہے کہ جس میں خاص دلیل کے ساتھ تقیہ کی اجازت دی گئی ہے تو اس میں راہ فرار (مندوحہ) کا اعتبار نہیں۔ مثلاً مخالفین کے ساتھ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں دلیل خاص موجود ہے جس کی وجہ سے مندوحہ کے معتبر نہ ہونے کے باوجود تقیہ صحیح ہے لیکن اگر شارع کی طرف سے دلیل خاص موجود نہ ہو بلکہ ان عمومات سے تقیہ کو اخذ کیا گیا ہو کہ جو ضرورت و مجبوری کی بناء پر تقیہ کو جائز قرار دیتے ہیں تو اس صورت میں مندوحہ (راہ فرار) معتبر ہے اور یہاں (تقیہ پر مبنی) عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو چونکہ اگر راہ فرار ہوتا تو اس کو اضطرار نہ کہتے۔(۱۹)

شیخ انصاریؒ کا قول:

شیخ انصاریؒ بھی تفصیل کے قائل ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مکلّف عمل کی حالت میں تقیہ سے فرار کر سکے تو اس کو تقیہ پر عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ مثلاً اہل سنت کی نماز جماعت میں اس کے لیے ممکن ہو کہ ایسی چیز پر سجدہ کرے جس پر سجدہ صحیح ہوتا ہے مثلاً حصیر کی چٹائی پر نماز پڑھ لے تو اس

---

(۱۷) الرسائل العشرہ، ص ۷۳۔ بحوالہ البیان، ص ۴۸، روض الجناں، ص ۳۷۔

(۱۸) ایضاً، بحوالہ مدارک الاحکام، ج ۱، ص ۲۲۳۔

(۱۹) کتاب المکاسب، ج ۳، ص ۱۳۳ (رسالۃ فی التقیۃ)

صورت میں مندوحہ (راہ فرار) معتبر ہے اور تقیہ نہیں کرنا چاہیئے۔لیکن اگر عمل کے دوران مندوحہ (راہ فرار) ممکن نہ ہو تو وہی تقیہ پر مبنی عمل کافی ہے، یہاں مندوحہ معتبر نہیں ہوگا۔(۲۰)

امام خمینیؒ کا قول:

امام خمینیؒ بھی تفصیل کے قائل ہیں البتہ امامؒ کی تفصیل متقی منہ کے لحاظ سے ہے۔لہذا وہ لکھتے ہیں:

﴿والتحقيق: هو اعتبار عدم المندوحه فيما إذا كانت التقية من غير المخالفين..... وعدم الاعتبار إذا كانت من المخالفين مطلقاً.﴾(۲۱)

''یہاں تحقیق یہ ہے کہ جب تقیہ مخالفین سے نہ ہو تو عدم مندوحہ (راہ فرار کا نہ ہونا ہی) معتبر ہے اور جب مخالفین سے تقیہ کریں گے تو مطلقاً عدم مندوحہ (راہ فرار کا نہ ہونا) معتبر نہیں ہوگا''۔یعنی جو شخص تقیہ کے بغیر نماز بجالانے کی قدرت رکھتا ہے تو اس پر واجب نہیں کہ وہ تقیہ کے بغیر نماز بجالائے بلکہ بہتر ہے کہ وہ مخالفین کے سامنے تقیہ کے ساتھ نماز بجالائے اور راہ فرار کے نہ ہونے کو معتبر نہ سمجھے۔اس سلسلے میں بہت سی روایات موجود ہیں۔(۲۲)

آیت اللہ حکیمؒ:

آیت اللہ حکیمؒ کے نزدیک تقیہ کی مشروعیت میں عدم مندوحہ (راہ فرار کا نہ ہونا) معتبر نہیں ہے۔(۲۳)

---

(۲۰) خلاصہ بحث مندوحہ از رسالۃ فی التقیۃ شیخ انصاریؒ، ص ۱۳۳ تا ۱۳۷، کتاب المکاسب، ج ۳۔

(۲۱) الرسائل العشرہ، رسالۃ فی التقیۃ، ص ۷۳، ۷۴۔

(۲۲) ایضاً، ص ۷۷۔ (۲۳) مستمسک العروۃ الوثقیٰ، ج ۲، ص ۴۰۸۔

آیت اللہ بجنوردیؒ:

آیت اللہ بجنوردی لکھتے ہیں: ہم نے جو بحث کی ہے اس سے ظاہر ہو گیا ہے کہ قول اول ہی صحیح اور مشہور ہے جس کے قائل شہید اولؒ و شہید ثانیؒ ہیں اور وہ یہ کہ (تقیہ کی مشروعیت میں) عدم مندوحہ (راہ فرار کا نہ ہونا) مطلقاً معتبر نہیں ہے۔ (یعنی تقیہ ہر حال میں درست ہے چاہے اس سے راہ فرار ممکن ہو یا نہ ہو)۔ (۲۴)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۲۴) القواعد الفقیہہ، ج ۵، ص ۶۹۔

چھٹی فصل:

اہل سنت کی نظر میں تقیہ کا جواز

مشہور یہ ہے کہ تقیہ اہل تشیع کے معتقدات میں سے ہے اور شیعہ مذہب میں تقیہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔اسی شہرت کی وجہ سے اہل سنت کا لبادہ اُوڑھ کر بعض ناصبی اہل قلم تقیہ کے مفہوم کو اپنی مرضی کے بطابق بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور اسے جھوٹ،فریب ونفاق کا عنوان دیکر شیعہ امامیہ مسلمانوں کے خلاف طعن وتشنیع کے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔لیکن اگر اسلامی مذاہب کے تفسیری، فقہی اور روائی منابع کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ ''تقیہ'' جیسا مسئلہ ایک فطری مسئلہ ہونے کے علاوہ، عقلی دلیل کے ساتھ ساتھ بہت سی نقلی ادلہ بھی رکھتا ہے کہ جن کی بنیاد واساس قرآن وسنت ہے۔گذشتہ صفحات میں ہم نے ''تقیہ'' کے بارے میں شیعی نقطہ نظر سے بحث کی ہے جس سے قرآن وسنت کی روشنی میں شیعہ امامیہ مسلمانوں کے نزدیک تقیہ کی مشروعیت اور حدود وقیود کسی حد تک قارئین کے لیے واضح ہوگئی ہیں۔اب تقیہ کے مفہوم اور شرعی حیثیت کے بارے میں مسلمانوں کے دوسرے بڑے مذہب یعنی اہل سنت کے دینی منابع کا مطالعہ کیا جاتا ہے تا کہ دیکھا جائے کہ اہل سنت کے مذہبی منابع اور جید علماء تقیہ کے بارے میں کیا نظریہ رکھتے ہیں۔یہ بحث چند عناوین کے تحت پیش کی جاتی ہے۔

ا۔علمائے اہل سنت کے نزدیک تقیہ کا مفہوم

سرخسی حنفی (م۴۹۰ھ):

سرخسی تقیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:﴿وَالتقية ان بقى نفسه من العقوبة

بمایظهره وان کان یضمر خلافه﴾ ''تقیہ سے مراد یہ ہے کہ انسان جس چیز کا اظہار کرتا ہے (اس کے ذریعے) اپنی جان کو خطرے سے بچائے، اگرچہ اس کے دل میں اس کے برعکس ہی کیوں نہ ہو''۔ (۱)

آلوسی حنبلی (م ۱۲۷۰ھ)

اپنی تفسیر روح المعانی میں آیہ مجیدہ ﴿**إلاَّ أن تَتَّقُوا مِنهُم تُقاةً**﴾ کے ذیل میں تقیہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿**وعرَّفوها بمحافظة النفس.أو العرض أوالمال من شر الأعداء والعدوّ قسمان:الأول:من كانت عداوته مبنية على اختلاف الدين كالكافروالمسلم.**

والثانی: من كانت عدواته مبنية على أغراض دنيوية كالمال والمتاع والملک والإمارة﴾ (۲)

''دشمنوں کے شر سے جان یا مال یا آبرو کی حفاظت کا نام تقیہ ہے۔ (پھر وہ دشمن کا مطلب لکھتے ہوئے کہتے ہیں) دشمن دو طرح کے ہیں ایک وہ کہ جس کی دشمنی کی بنیاد دینی اختلاف ہے مثلاً کافر و مسلمان، دوسرا وہ کہ جس کی دشمنی دنیوی اغراض و مقاصد پر مبنی ہوتی ہے مثلاً مال و متاع اور ملک و ریاست''۔

ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

تقیہ کا مفہوم اس طرح بیان کرتے ہیں: ﴿**معنى التقية الحذر من إظهار مافی النفس من معتقد وغيره للغير**﴾ ''تقیہ سے مراد یہ ہے کہ انسان جو کچھ دل میں رکھتا ہے اس

---

(۱) المبسوط، ج ۲۴، ص ۴۵۔

(۲) روح المعانی، ج ۲، ص ۱۲۱۔

کا دوسروں پر اظہار نہ کرے خواہ وہ عقیدہ ہو یا غیر عقیدہ"۔ (۳)

سید محمد رشید رضا (م۱۳۵۴ھ) تقیہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿وهي ما يقال أو يفعل مخالفاًللحق،لأجل توقى الضرر﴾(۴)

"تقیہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ضرر سے بچانے کی خاطر حق کے برعکس کہے یا انجام دے"۔

شیخ مراغی (م۱۳۶۴ھ) لکھتے ہیں:

﴿بأن يقول الانسان أؤيفعل مايخالف الحق لأجل توقى ضرر من الأعداء يعود إلىٰ النفس أو العرض أو المال﴾(۵)

"تقیہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کو دشمنوں کے ضرر سے بچانے کی خاطر خلاف حق چیز کا اظہار کرے یا (اسے) انجام دے"۔

موسیٰ جار اللہ ترکمانی نے اپنی شیعہ مخالف کتاب "الوشیعة" میں لکھا ہے:

﴿والتقية هي وقاية النفس من اللائمة والعقوبة وهي بهذا المعنى من الدين جائزة فى كل شئى﴾(۶)

"جو چیز بھی سرزنش، عقوبت اور تکلیف کا باعث بنے اس سے اپنے آپ کو بچانا، تقیہ

---

(۳) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج۱۲، ص۲۶۴۔

(۴) تفسیر المنار، ج۳، ص۲۸۰۔

(۵) تفسیر مراغی، ج۳، ص۱۳۷۔

(۶) الوشیعۃ، ص۷۲۔

کہلاتا ہے اور یہ اس معنی میں دین کا جزو شمار ہوتا ہے اور ہر چیز میں جائز ہے"۔

علمائے اہل سنت سے منقول تقیہ کے اس اصطلاحی مفہوم کو اگر شیعہ علماء کی طرف سے کی گئی تقیہ کی تعریف واصطلاحی معنی کے سامنے رکھا جائے تو ان دونوں میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا۔ اگر کوئی معمولی سا فرق نظر آتا بھی ہے تو وہ تعبیر والفاظ کا فرق ہے ورنہ مفہوم کے لحاظ سے شیعہ کی بھی تقیہ سے وہی مراد ہے جو علمائے اہل سنت نے تقیہ کی ان تعریفات واصطلاحی مفہوم میں پیش کی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مسلمان اصل تقیہ کے مفہوم اور اصطلاحی معنی میں اتفاق نظر رکھتے ہیں اور کوئی بھی تقیہ سے نفاق فریب اور جھوٹ مراد نہیں لیتا سوائے چند خود غرض افراد کے۔

۲۔ آیات تقیہ، مفسرین اہل سنت کی نظر میں

گذشتہ صفحات میں فقہ امامیہ میں مشروعیت تقیہ پر ادلہ چہارگانہ پیش کی گئی ہیں جن میں سے پہلی دلیل قرآن مجید کی چند آیات تھیں کہ جن سے فقہائے شیعہ نے جواز تقیہ پر استدلال کیا ہے۔ انہی آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے اہل سنت علماء اور مفسرین نے بھی تقیہ کی مشروعیت اور جواز کو استنباط کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ کے جواز پر آیات قرآنی کی تفسیر میں تمام علمائے اسلام میں اتفاق نظر پایا جاتا ہے اور تقیہ جیسا عقلی وفطری مسئلہ قرآنی اساس وبنیاد پر استوار ہے، جس کی مخالفت درحقیقت قرآنی تعلیمات کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ ذیل میں آیات تقیہ سے متعلق اہل سنت مفسرین اور علماء کے اقوال اور آراء کو تفصیل کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے تاکہ قارئین پر اس مسئلہ کا قرآنی نقطہ نظر کے لحاظ سے متفق علیہ ہونا روشن ہو جائے۔

پہلی آیت:

﴿ لايَتَّخِذ المُؤمِنُونَ الكٰافِرِينَ أولِيٰاءَ مِن دُونِ المُؤمِنِينَ وَمَن يَفعَل ذٰلِكَ فَلَيسَ

مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنهُم تُقاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفسَهُ وَإِلَى اللهِ المَصِيرُ﴾

ترجمہ: مسلمانوں کو چاہیے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے اور اللہ سے کوئی سروکار نہیں مگر (اس تدبیر سے) کسی طرح پر ان (کی شرارت) سے بچنا چاہو، (تو خیر) اور اللہ تم کو (اپنے جلال سے) ڈراتا ہے۔ اور (آخر کار) اللہ کی طرف جانا ہے۔ (۷)

مفسرین اہل سنت کے اقوال

۱۔ جار اللہ زمخشری (م ۵۳۸ھ): اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿(إلّا أن تَتَّقُوا مِنهُم تُقاةً) إلّا أن تخافوا من جهتهم أمرا يجب اتقاؤه، وقرئ تقية...... الخ﴾

''مگر یہ کہ تم کسی بات میں خوف زدہ ہو جاؤ تو واجب ہے تقیہ کے طور پر اپنے آپ کو اس سے بچاؤ اور اس میں دونوں قرائتیں تقاۃً و تقیۃً وارد ہوئی ہیں''۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں:

﴿رخص لهم في موالاتهم إذا خافوهم، والمراد بتلك الموالاة مخالفة ومعاشرة ظاهرة والقلب مطمئن بالعداوة والبغضاء وانتظار زوال المانع﴾(۸)

''ان (مومنین) کو رخصت دی گئی ہے کہ جب دشمنان دین سے ڈریں، ان کے ساتھ موالات و محبت رکھیں اور اس موالات سے مراد مخالفت بھی ہے اور ظاہری معاشرت بھی درحالیکہ دل ان کے بغض و عداوت

---

(۷) سورہ آل عمران، آیت ۲۸۔ (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد)

(۸) الکشاف، ج ۱، ص ۴۲۲۔

پہ مطمئن ہو اور مانع کے زائل ہونے کا انتظار ہو''۔

۲۔جلال الدین سیوطی (م۹۱۱ھ): قتادہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿أنه كان يقروها (إِلَّا أن تَتَّقُوا مِنهُم تقيةً) بالياء﴾.

یعنی قتادہ اس آیت کو''إِلَّا ان تتقوا منهم تقيةً''، یاء کے ساتھ پڑھا کرتے تھے''۔

اس کے بعد ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿فالتقية باللسان من حمل على أمر بتكلم به وهو معصية لله فيتكلم به مخالفة الناس وقلبه مطمئن بالإيمان،فان ذلك لايضره إنما التقية باللسان﴾

''پس تقیہ زبان سے ہوتا ہے۔کوئی شخص ایسی بات کہنے کے لیے مجبور کیاجائے جو خدا کی معصیت ہو اور وہ لوگوں کے خوف سے ایسا کہے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو اس سے اسکا کوئی ضرر نہیں کیونکہ تقیہ فقط زبان سے ہوتا ہے''۔

اس کے بعد ایک دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں:

﴿واخرج عبد بن حميد عن الحسن قال''التقية'جائزة إلىٰ يوم القيامة﴾(۹)

''عبد بن حمید نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ''تقیہ تا قیامت جائز ہے''۔

۳۔طبری (م۳۱۰ھ): اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿(إِلَّا أن تَتَّقُوا مِنهُم تُقٰةً) إِلَّا أن تكونوا في سلطانهم فتخافوهم عَلىٰ أنفُسِكُم،فتظهروا لهم الولاية بألسنتكم،وتُضمروا لهم العداوة﴾(۱۰)

---

(۹) الدر المنثور فی التفسیر الماثور، ج۲،ص۱۷۶۔

(۱۰) جامع البیان، ج۳،ص۲۲۸۔

اس آیہ مجیدہ "**اِلَّا أن تَتَّقُوا**..... الخ" سے مراد یہ ہے کہ تم لوگ ان (کفار) کے زیر تسلط ہو اور ان سے تمہیں اپنی جانوں کا خطرہ ہے تو اس صورت میں زبانی کلامی ان سے اظہار دوستی کرتے رہو اور ان سے اپنی دشمنی کو پنہان رکھو۔"

اس کے بعد طبری اس بات کو ابن عباس (م ۶۸ھ) اور حسن بصری (م ۱۱۰ھ) سے نقل کرتے ہیں اور پھر سدی (م ۱۲۷ھ) کا قول اس آیت کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ

﴿هو يظهر الولاية فى دينهم والبراء ة من المؤمنين﴾ (۱۱)

"تقیہ، کفار سے ان کے دین کے بارے میں اظہار دوستی کرنا اور مؤمنین سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے"۔

پھر وہ ضحاک (م ۱۰۵ھ) کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿التقية باللسان، من حمل علىٰ أمر يتكلم به وهو لله معصية، فتكلم مخافة علىٰ نفسه، وقلبه مطمئن بالإيمان، فلاإثم عليه، إنما التقية باللسان﴾ (۱۲)

"تقیہ زبان سے اور اس شخص کے بارے میں ہوتا ہے کہ جو ایسی بات کہنے پر مجبور کیا جائے جو معصیت خداوند ہے اور وہ اپنی جان کے ڈر سے اسے زبان پر لے آئے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اس صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ تقیہ فقط زبان سے ہوتا ہے"۔

۴۔ فخر الدین رازی (م ۶۰۴ھ):

اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں اول "**المسألة الثالثة**" کے تحت "**مسيلمة الكذاب**" اور دو صحابہ پیغمبرؐ کا قصہ نقل کرتے ہیں کہ جن میں سے ایک مسیلمۃ کے سامنے تقیہ کرنے

---

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً، ص ۱۲۹۔

کی وجہ سے اپنی جان بچالیتا ہے جبکہ دوسرا صحابی، مسیلمۃ کے سوال کا منفی جواب دینے کی وجہ سے شہادت کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے اور پیغمبرؐ دونوں کے لیے اجر وثواب کی بشارت دیتے ہیں۔

اس کے بعد فخر الدین رازی ''المسألۃ الرابعۃ'' کے تحت لکھتے ہیں: جان لو تقیہ کے بہت سے احکام ہیں، جن میں سے بعض کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

﴿الحكم الاول: أن التقية إنما تكون إذا كان الرجل فى قوم كفار، ويخاف منهم على نفسه وماله فيداريهم باللسان، ذلك بأن لايظهر العداوة باللسان، بل يجوز أيضاً الكلام الموهم للمحبة والموالاة، ولكن بشرط أن يضمر خلافه، وأن يعرض فى كل مايقول، فإن التقية تأثيرها فى الظاهر لا فى أحوال القلوب﴾ (۱۳)

یعنی تقیہ فقط اس وقت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کافروں کے درمیان پھنس جائے اور اسے ان سے اپنی جان و مال کا خطرہ ہو تو پس وہ ان سے زبانی مدارا کرے یعنی ان کی دشمنی کو زبان پر ظاہر نہ کرے بلکہ جائز ہے کہ ان سے اس طرح بات چیت کرے جس سے محبت و موالات کی بو آتی ہو۔ بشرطیکہ اس کے دل میں اس کے برعکس ہو اور جو بات کہے اس سے اعراض کرتا جائے کیونکہ تقیہ کا اثر ظاہر میں ہوتا ہے نہ دلوں کے اندر۔

وہ آگے چل کر ''الحکم الرابع'' کے تحت لکھتے ہیں:

﴿ظاهر الآية يدل أن التقية إنما تحل مع الكفار الغالبين إلا أن مذهب الشافعى رضى الله عنه أن الحالة بين المسلمين إذا شاكلت الحالة بين المسلمين

---

(۱۳) التفسیر الکبیر، ج ۸، ص ۱۲۔

والمشرکین حلت التقیة محاماة علی النفس﴾ (۱۴)

یعنی ''ظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ تقیہ فقط ان کفار کے ساتھ حلال ہے کہ جو غلبہ و تسلط رکھتے ہیں لیکن مذہب شافعی یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے درمیان ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ جو مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ہوتی ہے تو نفس (جان) کی حفاظت کے لیے تقیہ حلال ہو جاتا ہے''۔

تقیہ کا حکم پنجم بیان کرتے ہوئے فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

﴿التقية جائزة لصون النفس،وهل هي جائزة لِصون المال يحتمل أن يحكم فيها بالجواز يقوله(صلى الله عليه وآله وسلم)"حرمة مال المسلم كحرمة دمه"ولقوله(ص)"من قتل دون ماله فهو شهيد"ولأن الحاجة إلىٰ المال شديدة والماء إذابيع بالغبن سقط فرض الوضوء وجازالاقتصارعلى التيمم دفعاًلذلک القدرمن نقصان المال،فكيف لايجوزههناوالله أعلم﴾.(۱۵)

''جان کی حفاظت کے لیے تقیہ کرنا تو جائز ہے کیا مال کی حفاظت کے لیے بھی جائز ہے یا نہیں؟ احتمال ہے کہ اس کے جواز کا حکم ہو کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: ''مسلمان کا مال اس کے خون کی طرح حرام ہے'' اور پھر آپؐ نے فرمایا: ''جو اپنے مال کی حفاظت کے لیے مارا جائے وہ شہید ہے''۔ اس کے علاوہ، انسان کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر انسان کو پانی دغابازی کے ساتھ (مہنگا) فروخت کیا جائے تو وضو ساقط ہو جاتا ہے اور اسے تیمم پر اکتفا کرنا چاہیئے تا کہ وہ مال کے نقصان سے بچ سکے۔ (جب مال کی حفاظت اس قدر ضروری ہے تو) کیسے ممکن ہے مال کی حفاظت کے لیے تقیہ جائز نہ ہو''۔

---

(۱۴) ایضاً

(۱۵) ایضاً

وہ تقیہ کا چھٹا حکم اس طرح بیان کرتے ہیں:

﴿قال مجاهد: هذا الحكم كان ثابتاً فی اول الاسلام لاَجل ضعف المئومِنين .فاَما بعد قوة دولة الاِسلام فلا،و روی عوف بن الحسن اَنه قال :التقية جائزة للمئومِنين اِلی يوم القيامة،وهذا القول اَولیٰ ،لاَن دفع الضرر عن النفس واجب بقدر الامكان﴾(۱۶)

یعنی ''مجاہد کا کہنا ہے کہ یہ حکم اسلام کے اوائل میں منومنین کے ضعف کی وجہ سے ثابت تھا، لیکن حکومت اسلام کی قوت کے بعد (تقیہ کا) یہ حکم باقی نہیں رہا اور عوف نے حسن (بصری) سے نقل کیا ہے کہ ''تقیہ قیامت تک منومنین کے لیے جائز ہے'' (میرے نزدیک) یہ قول اولیٰ ہے چونکہ جہاں تک ممکن ہو سکے جان سے خطرہ دور کرنا واجب ہے۔''

پس فخر الدین رازی کے نزدیک:

الف: جب کوئی مئومن مخالفین کے درمیان پھنس جائے خواہ وہ کفار ہوں یا مخالف مذہب افراد، تو جان کی حفاظت کے لیے تقیہ کرنا جائز ہے۔

ب: تقیہ، جان کی حفاظت کے علاوہ مال کی حفاظت کے لیے بھی جائز ہے۔

ج: تقیہ فقط صدر اسلام میں ہی واجب نہیں تھا بلکہ قیامت تک جائز ہے (جب بھی انسان کو ضرورت پیش آئے وہ تقیہ کرسکتا ہے)۔

۵۔ سَرَخسی حنفی (م۴۹۰ھ)

معروف فقیہ محمد بن احمد سَرَخسی حنفی نے تقیہ کے جواز پر اسی آیت سے استدلال کیا ہے

---

(۱۶) ایضاً

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

﴿وعن الحسن البصری رحمة الله "التقية جائزة للمئومن اِلی یوم القیامة" اِلّاَ اَنه کان لا یجعل فی القتل تقیة وبه نأخذ والتقیة ان بقی نفسه مِن العقوبة بما یظهره وان کان یضمر خلافه وقد کان بعض النّاس یابیٰ ذلک ویقول اَنّه من النفاق والصحیح ان ذلک جائز لِقوله تعالیٰ "اِلاّ ان تَتّقُوا مِنهم تُقٰاةً" واجراء کلمة الشرک علی اللسان مکرها طمأنینة القلب بالایمان من باب التقیة﴾(۱۷)

''حسن بصری سے منقول ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے ہم اسی دلیل سے تمسک کرتے ہیں اور تقیہ یہ ہے کہ انسان جس بات کا اظہار کر رہا ہے اس کے ذریعے اپنی جان کی حفاظت کرے، اگرچہ اس کے دل میں اس کے برعکس ہو۔ بعض لوگ تقیہ سے امتناع کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ نفاق ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ تقیہ جائز ہے کیونکہ خداوند کافرمان ہے: "**اِلا َاِن تَتَّقُوا مِنهم تُقاةً**" لہذا جو مجبور ہو کر تقیہ کے طور پر کلمہ شرک زبان پر لے آئے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس کے لئے کوئی مانع نہیں''۔

۶۔قاضی بیضاوی (م ۶۸۵ھ)

اپنی تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:

﴿وقراء یعقوب تقیةً،منع عن موالاتهم ظاهراًوباطناًفی الاوقات کلها إلاَّوقت المخافة فان اظهار الموالاة حینئذٍ جائز﴾(۱۸)

---

(۱۷)المبسوط، ج۲۴،ص۴۵۔

(۱۸)تفسیر بیضاوی ، ج۱،ص۲۴۸۔

''(قراء سبعہ میں سے) یعقوب قاری نے اسے تقیۃً (بروزن بقیۃً) قرائت کی ہے، خداوند متعال نے مومنین کو تمام اوقات و حالات میں کافروں کی محبت اور موالات سے منع کیا ہے ظاہری اور باطنی طور پر البتہ خوف کے وقت ان سے محبت و موالات کرنے کو منع نہیں کیا کیونکہ خوف کے وقت کفار سے محبت اور موالات کا اظہار جائز ہے۔''

۷۔ابوالحیان اندلسی (م ۷۵۴ھ)

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

﴿الآية''الا أن تتقوا منهم تقاة هذااستثناء مفرع من المفعول له والمعنىٰ لايتخذوا كافراًوليا لشئى من الأشياء الالسبب التقية فيجوز اظهار الموالاة باللفظ والفعل دون ماينعقدعليه القلب والضميرولذلک قال ابن عباس التقية المشار اليها مداراة ظاهرة.وقال يكون مع الكفارأوبين أظهرهم فيتقيهم بلسانه ولامودة لهم فى قلبه.وقال قتادة اذاكان الكفارغالبين أويكون المؤمنون فى قوم كفارفيخافونهم فلهم أن يحالفوهم ويداروهم دفعاًللشر وقلبهم مطمئن بالايمان.وقال ابن مسعود خالطوا الناس وزايلوهم وعاملوهم بما يشتهون ودينكم فلاتثلموه.وقال صعصة بن صوحان لاسامة بن زيدخالص المؤمن وخالنى الكافران الكافر يرضى منک بالخلق الحسن.وقال الصادق عليه السلام التقية واجبة إنى لأسمع الرجل فى المسجد يشتمنى فاستتر منه بالسادية لئلايرانى.وقال الرياء مع المؤمن شرک ومع المنافق عبادة﴾(۱۹)

---

(۱۹)تفسیر الکبیر المسمیٰ البحر المحیط، ج ۲، ص ۴۲۳۔

''آیہ (إلاَّ أن تتقوا منهم تقاةً) مفعول لہ سے استثنائے مفرغ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر کو کسی بھی طور پر دوست نہ بناؤ سوائے بطور تقیہ کے۔ اس صورت میں (کفار سے) زبان و عمل سے اظہار دوستی کرنا جائز ہے، مگر یہ دوستی دل اور ضمیر میں پیدا نہیں ہونی چاہیئے۔ اسی لیے ابن عباسؓ نے کہا ہے: مذکورہ تقیہ سے مراد ظاہری مدارا (وآشتی) ہے اور یہ انھوں نے بھی کہا ہے کہ: تقیہ کفار کے ساتھ یا ان کے درمیان رہنے کی وجہ سے، مجبوری کی حالت میں زبان سے ہوتا ہے اور دل میں ان سے کسی قسم کی محبت نہیں ہوتی۔ قتادہ کا کہنا ہے کہ جب بھی کفار تسلط و غلبہ رکھتے ہوں یا مؤمنین ان کے درمیان زندگی گزار رہے ہوں اور ان سے خوف زدہ ہوں، ان کے شر سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ معاہدہ و پیمان باندھ سکتے ہیں اور مدارا کر سکتے ہیں جبکہ ان کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ ابن مسعود کا کہنا ہے: لوگوں کے ساتھ میل جول رکھو لیکن ان سے جدا رہو، جس طرح وہ چاہتے ہیں ان سے سلوک کرو لیکن اپنے دین کو رخنہ اندازی سے محفوظ رکھو۔ صعصۃ بن صوحان نے اسامہ بن زید سے کہا: مؤمن کے ساتھ خالص اور کافر کے ساتھ خوش خلق رہو کیونکہ کافر تیری خوش خلقی سے راضی رہتا ہے۔ امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: ''تقیہ واجب ہے، میں کبھی مسجد میں سنتا ہوں کہ ایک شخص مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے تو میں اپنے آپ کو ستون کے پیچھے کر لیتا ہوں تا کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔ نیز آپؑ نے فرمایا: مؤمن کے ساتھ ریاکاری شرک اور منافق کے ساتھ عبادت ہے''۔

اس کے بعد ابوحیان اندلسی مزید لکھتے ہیں:

مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں تقیہ کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے۔

یہ کہ (کفار کے ساتھ) دل سے دوستی کرنے کی حرمت کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح بغیر تقیہ کی نیت کے، زبان و عمل سے اظہار دوستی کرنے میں بھی کوئی

اختلاف نہیں، قرآن وسنت اس پر گواہ ہے۔

تقیہ کو ہم چند لحاظ سے دیکھ سکتے ہیں: اول یہ کہ کس سے تقیہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد کون سی چیز اسے مباح قرار دیتی ہے اور قول وفعل میں کس چیز کا تقیہ کرنا چاہیئے!

یہ کہ کس سے تقیہ کرنا چاہیئے؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) ہر اس طاقتور سے تقیہ کرنا چاہیئے کہ جو زور وطاقت کے بل بوتے پر مسلط ہو گیا ہے اور انسان کو اس کی طرف سے ظلم وستم کا سامنا ہو۔ کفار اسی زمرے میں آتے ہیں۔ اسی طرح ظالم حکمرانوں، لٹیروں اور شہروں میں مقیم جاہ طلب غارت گروں سے تقیہ کرنا چاہیئے۔

جو چیز تقیہ کو مباح کرتی ہے وہ یہ کہ قتل ہو جانے، اعضا کے قطع ہو جانے اور تازیانے لگنے کا خوف اور ظالم وجاہ طلب افراد کی دشمنی تقیہ کو مباح کر دیتی ہے۔

یہ کہ تقیہ کس طرح کرنا چاہیئے تو اول ''زبانی تقیہ'' ہے: اس سے مراد زبان پر کلمہ کفر یا اس سے کمتر (بات جاری کرنا)

(دوم) عملی تقیہ ہے اور وہ یہ کہ (مجبوری کی حالت میں) ہر قسم کے حرام کا ارتکاب کرنا (۲۰)

۸۔ علامہ بغوی (۵۱۰ھ)

تفسیر معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿وقراء مجاهد ويعقوب تقيةً عَلىٰ وَزنِ بقيةً لانَّهم كتبوها بالياء ولم يكتبوها بالالف:﴾ ''(قراء سبعہ میں سے) مجاہد اور یعقوب نے اس آیت میں لفظ تقیۃً بروزن بقیۃً قرائت کی ہے کیونکہ انھوں نے اس لفظ کو ''ی'' کے ساتھ لکھا ہے نہ کہ ''الف'' کے ساتھ۔

---

(۲۰) ایضاً، ص ۴۲۴۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

﴿ومعنى الاية ان الله نهى المؤمنين عن موالات الكفار ومداهنتهم ومباطنتهم إلَّا ان يكون الكفار غالبين ظاهرين اويكون المؤمن فى قوم كفار يخافهم فيدارهم باللسان وقلبه مطمئن بالايمان دفعاً عن نفسه من غير ان يستحل دماًحراماًومالاًحراماً اويظهر الكفار علىٰ عورة،والتقية لاتكون إلا مع خوف القتل وسلامة النية﴾(۲۱)

"آیت کا مطلب یہ ہے کہ خداوند نے مومنین کو کفار سے موالات (محبت) رکھنے سے منع کیا ہے اور ان سے مداہنت و مباطنت کرنے کی ممانعت کی ہے، مگر یہ کہ جب کفار مسلمانوں پر ظاہری غلبہ رکھتے ہوں یا کوئی مؤمن کافروں کے درمیان زندگی گزار رہا ہو اور ان سے خوف زدہ ہو تو اس وقت ان سے موالات رکھنا جائز ہے۔ ایسی حالت میں کفار سے زبانی کلامی مدارا کیا جائے۔ جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو اور یہ سب اپنے آپ کو خطرے سے بچانے کے لیے ہے نہ کہ (تقیہ کے بہانے) کسی مؤمن کا خون کرا دیا جائے یا مال حرام کو حلال کر لیا جائے یا کافروں کو مسلمان عورتوں پر مطلع کیا جائے، اور تقیہ سوائے قتل کے خوف اور نیت کی سلامتی کے جائز نہیں"۔

۹۔نظام نیشاپوری:

تفسیر غرائب القرآن میں لکھتے ہیں:

﴿اذا كان الرجل فى قوم كفاريخاف منهم علىٰ نفسه جازله ان يظهر المحبة والموالات ولكن بشرط ان يضمر خلافه ويعرض فى كل مايقول امكن

---

(۲۱) تفسیر معالم التنزیل، ج۱، ص۴۴۹۔

فان التقية تاثيرهافى الظاهر لافى احوال القلب﴾(۲۲)

''جب کوئی مؤمن کافروں کے درمیان پھنس جائے اور ان سے جان کا خوف رکھتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ کفار سے محبت اور موالات ظاہر کرتا رہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا ضمیر اور دل ان باتوں کا مخالف ہو اور جہاں تک ممکن ہو ہر بات سے اعراض کرتا رہے کیونکہ تقیہ کی تاثیر ظاہر میں ہے نہ باطن قلب میں''۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

﴿انهاانمايجوزفيمابتعلق باظهارالموالات والمعادات وقديجوزايضاًفيمابتعلق باظهارالدين فاماالذى يرجع ضرره الىٰ الغير كالقتل والزنىٰ وغصب الاموال والشهادة الزوروقذف المحصنات واطلاع الكفارعلى عورات المسلمين فذلك غيرجائزالبتة﴾(۲۳)

''تقیہ کرنا جائز ہے ایسے امور میں جن کا تعلق موالات اور معادات سے ہو اور اظہار دین کے متعلق بھی تقیہ کرلینا جائز ہے مگر جن باتوں میں غیر کو ضرر پہنچ سکے مثلاً قتل، زنا، غصب مال، جھوٹی گواہی، پاکدامن عورت پر تہمت اور کفار کو مسلمانوں کی ناموس سے مطلع کرنے میں تقیہ یقیناً جائز نہیں''۔

۱۰۔شیخ مراغی مصری (م۱۳۶۴ھ)

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

﴿وقداستنبط العلماء من هذه الآية جوازالتقية بأن يقول الإنسان أويفعل مايخالف الحق لأجل توقى ضرر من الأعداء يعودإلىٰ النفس اوالعرض اوالمال

---

(۲۲)تفسیر غرائب القرآن، ج۱، ص۳۱۳ (۲۳)ایضاً

فمن نطق بكلمة الكفر مكرهاوقاية لنفسه من الهلاک،وقلبه مطمئن بالإيمان لايكون كافراًبل يعذر كمافعل عماریاسرحيناًكرهته قريش على الكفرفوافقهامكرهاوقلبه ملئ بالايمان وفيه نزلت آية"مَن كفربالله الخ﴾(۲۴)

''اور علمائے اسلام نے اس آیت سے تقیہ کا جواز استنباط کیا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کوئی ایسی بات کہے یا کوئی ایسا کام کرے جو حق کے مخالف ہو تا کہ دشمنوں کے ضرر سے اپنی جان یا عزت و آبرو یا مال کو بچا سکے''۔ پس جو شخص اکراہ و مجبوری کی حالت میں اپنی جان کو ہلاکت سے بچانے کے لیے کلمہ کفر کہے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو تو وہ کافر نہیں ہو جاتا بلکہ معذور ہے جیسا کہ عمار یاسرؓ نے کیا تھا جب قریش نے انھیں کفر پر مجبور کیا تو انھوں نے ان کے کہنے پر عمل کر دیا جبکہ ان کا دل ایمان سے مملو تھا، اس وقت اس بارے میں آیہ مجیدہ ''من کفر باللہ .....الخ'' (۲۵) نازل ہوئی۔

۱۱۔قرطبی (م ۶۷۱ھ)

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

﴿قال ابن عباس:هوأن يتكلم بلسانه وقلبه مطمئن بالايمان ولايقتل ولايأتي مأثما،وقال الحسن:التقية جائزة للانسان إلىٰ يوم القيامة،ولاتقية في القتل،وقرأجابربن زيدومجاهدوالضحاک:إلاَّ أن تَتَّقوا منهم تَقِيّةً.وقيل:إن المؤمن اذاكان قائماًبين الكفارفله أن يداريهم باللسان إذاكان خائفاً على نفسه

---

(۲۴) تفسیر مراغی، ج ۳، ص ۱۳۶، ۱۳۷۔

(۲۵) سورہ نحل، آیت ۱۰۶۔

وقلبه مطمئن بالإيمان والتقية لاتحل إلاَّ مع خوف القتل،أوالقطع أوالايذاء العظيم﴾(۲۶)

یعنی ابن عباس سے منقول ہے کہ ''تقیہ سے مراد زبان سے کوئی چیز کہنا جبکہ دل ایمان پر مطمئن ہو اور (تقیہ کے بہانے) قتل و گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ حسن بصری کا کہنا ہے کہ تقیہ انسان کے لیے تا روز قیامت جائز ہے اور قتل میں تقیہ نہیں۔ جابر بن زید، مجاہد اور ضحاک نے اس آیہ کو: **إلاَّ أن تتَّقُوا تقيةً**، پڑھا ہے اور کہا گیا ہے کہ جب مؤمن کفار کے درمیان ہو اور ان سے اپنی جان کے بارے میں خوف زدہ ہو تو اسے ان سے زبانی کلامی مدارا کرنا چاہیئے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن (قائم) ہو اور تقیہ اس وقت تک حلال نہیں جب تک قتل ہو جانے یا اعضاء کے قطع ہو جانے کا خوف نہ ہو''۔

۱۲۔ جمال الدین قاسمی (م۱۳۳۲ھ)

اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿ومِن هذه الآية"إلاَّ أن تتقوا منهم تقاة" استنبط الأئمة مشروعية التقية عند الخوف وقدنقل الإجماع على جوازهاعندذلک الإمام مرتضىٰ اليمانى فى كتابه:(إيثار الحق على الحق)﴾(۲۷)

یعنی ''اس آیہ مجیدہ ''**إلاَّ أن تتقوا**..... الخ'' سے آئمہ دین نے خوف کے وقت تقیہ کی مشروعیت کو استنباط کیا ہے اور امام مرتضی یمانی نے اپنی کتاب (ایثار الحق علی الحق) میں خوف کے وقت اس کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے''۔

---

(۲۶) تفسیر قرطبی، ج ۴، ص ۵۷۔

(۲۷) محاسن التاویل، ج ۴، ص ۸۲۔

۱۳۔امام بخاری (م ۲۵۶ھ)

اپنی الصحیح میں اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿وقال: (إِلاَّ أن تَتَّقُوا مِنهُم تُقٰاةً) وهي تقيةً﴾ (۲۸)

''اس آیت میں لفظ تُقَاۃً سے مراد ''تقیہ'' ہے۔

۱۴۔ابوالاعلیٰ مودودی (م ۱۴۰۰ھ)

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''یعنی اگر کوئی مسلمان کسی دشمن اسلام جماعت کے چنگل میں پھنس گیا ہو اور اسے ان کے ظلم وستم کا خوف ہو تو اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار کے ساتھ بظاہر اس طرح رہے کہ گویا اُنہی میں کا ایک آدمی ہے یا اگر اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا تو اپنی جان بچانے کے لیے وہ کفار کے ساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کر سکتا ہے، حتی کہ شدید خوف کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو اس کو کلمہ کفر تک کہہ جانے کی رخصت ہے'' (۲۹)

۱۵۔شیخ عبدالحق حقانی دہلوی

اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''اِلاَّ اَن تَتَّقُوا مِنهم تُقاةً، سے یہ مراد ہے کہ اگر کفار سے مضرت کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ظاہر داری کا کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ دین میں کوئی قباحت نہ آوے اسی کو تقیہ کہتے ہیں'' (۳۰)

---

(۲۸) صحیح بخاری، ج ۸، ص ۳۷۹، کتاب الاکراہ۔

(۲۹) تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۲۴۴۔

(۳۰) تفسیر حقانی، ج ۳، ص ۱۰۵۔

۱۶۔علامہ سید امیر علی ملیح آبادی (م ۱۳۳۷ھ)

ممتاز اہل سنت عالم دین اور اردو زبان میں قرآن پاک کی ضخیم ترین مستند تفسیر ''مواہب الرحمٰن'' کے مؤلف بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی اس آیہ مجیدہ کی تفسیر میں مختلف مفسرین اور علماء کے اقوال کے حوالے سے تقیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بالجملہ آیہ کریمہ کا مطلب ظاہر ہے کہ کافروں سے موالات مت کرو اور جو کوئی موالات کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے جدا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے اور مفسرہ وغیرہ نے کہا کہ ''لَیسَ مِنَ دِینِ اللہ'' اور بعض نے کہا ہے کہ ''لَیسَ مِن وِلایۃ اللہ'' اور یہ سب معانی متقارب ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں سے ایک صورت تقیہ کی استثناء فرمائی اور معالم میں کہا کہ معنی آیہ کے یہ ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ موالات کرنے اور ان سے مداہنت کرنے اور ان کے ساتھ باہم رازداری کرنے سے منع کر دیا الّا اس صورت میں کہ کفار غالب ہوں یا مؤمن کسی قوم کفار میں ہو کہ ان کی طرف سے خوف کرتا ہو تو ان سے زبان سے مدارات کرے درحالیکہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہوتا کہ اپنے نفس سے ضرر دفع کرے بدون اس کے کہ کسی خون حرام کو یا مال حرام کو حلال کرے اور بدون اس کے کہ مسلمان کے ملک کی پردہ کی باتیں ان سے ظاہر کرے اور تقیہ فقط اسی طور پر ہے کہ اس کو قتل کا خوف ہو اور تقیہ کی صورت میں اس کی نیت و دل مطمئن و سلامت ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اِلاّ مَن اُکرہُ وقلبہ مطمئن بالایمان**' پھر ایسی حالت میں بھی تقیہ کرنا رخصت ہے ای جائز و مباح ہے اور اگر اس نے صبر کیا یہاں تک کہ اسلام ظاہر رکھا اور قتل کیا گیا تو اس کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔ قال المترجم آیت میں یہ دلیل نہیں ہے کہ کافروں سے خوف ہونے کے ساتھ میں موالات جائز ہے جیسا کہ بعض نے زعم کیا ہے بلکہ جواز درحقیقت مدارات کا ہے بنابر اینکہ اکراہ امر دیگر ہے اور آیہ میں دو طریق ہیں اور دونوں کا مال واحد ہے اول آنکہ

استثناء از عام ہے "**ای لا یتخذ المؤمن الکافر ولیا بشئ اِلاَّ بالتقیة**" پس استثناء سے موالات بتقیہ ثابت ہوئی اور وہ ظاہری ہے نہ باطنی اور دوم یہ کہ آیہ کریمہ اس قول کی قوت میں ہے "**لا تتخذوھم اولیاء ولکن تتقوا منھم تقاةً**" پس ان کے ساتھ موالات کرنے سے منع کیا اور ان سے تقیہ کو جائز رکھا اور یہ خود اس وقت ہے کہ خوف ہو فافہم۔

اس کے بعد مولانا امیر علی مذید لکھتے ہیں:

"پھر یہ کلام کہ آیا تقیہ بزبان و بعمل دونوں ہے یا فقط بزبان ہے تو ابن عباسؓ سے روایت میں ہے کہ تقیہ فقط زبان سے ہے اور حالانکہ قلب مطمئن بایمان ہو اور ابو العالیہ سے روایت ہے کہ تقیہ بزبان ہے اور عمل نہیں ہے وہ بغرض دفع ضرر اور یہی ایک جماعت سے مذکور ہے۔ پس تقیہ کر کے کسی کا قتل کرنا، حرام مال کو حلال کرنا روا نہیں ہے اور رہا یہ کہ تقیہ اب بھی جائز ہے یا اب نہیں جائز ہے۔ پس سلف میں سے ایک قوم نے کہا کہ اعز از اسلام کے بعد اب تقیہ روا نہیں ہے اور عبد بن حمید و بخاری نے حسنؒ سے روایت کی کہ تقیہ تا قیامت جائز ہے اور بخاری نے ابو الدرداءؓ سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم بہت لوگوں سے خندہ پیشانی سے بولتے ہیں حالانکہ ہمارے دل ان کو لعنت کرتے ہیں اور یہی مفسر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور یہی ہمارے نزدیک مذہب ہے اور یحی البکاء سے روایت ہے کہ میں نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ سے زمانہ حجاج بن یوسف ظالم میں جس نے سعید رحمہ اللہ کو آخر قتل کیا ہے، کہا کہ حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تم کو رواء ہے کہ زبان سے تقیہ کر لو اور دل مطمئن بایمان رہے تو سعید رحمہ اللہ نے کہا کہ اہل اسلام کے درمیان تقیہ نہیں تقیہ تو اہل حرب ہی میں رواء ہے"۔ (۳۱)

---

(۳۱) مواہب الرحمٰن، ج ۱، ص ۱۵۲ (ذیل آیہ ۲۸ سورہ آل عمران)

دوسری آیت:

﴿مَن كَفَرَ بِاللهِ مِن بَعدِ إِيمٰانِهِ إِلَّا مَن أُكرِهَ وَقَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإِيمٰانِ وَلٰكِن مَن شَرَحَ بِالكُفرِ صَدراً فَعَلَيهِم غَضَبٌ مِنَ اللهِ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيم﴾

یعنی ''جو شخص (کفر پر) مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (اس سے کچھ مؤاخذہ نہیں) لیکن جو شخص ایمان لانے کے پیچھے خدا کے ساتھ کفر کرے اور کفر بھی کرے جی کھول کر، تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور ان کے لیے بڑا (سخت) عذاب ہے''۔ (۳۲)

اس آیہ مجیدہ سے واضح طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد اکراہ واجبار کی صورت میں کلمہ کفر زبان پر جاری کردے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن اور اس پر قائم واستوار ہو تو اس سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مکی ہے اور دعوت اسلام کے آغاز میں جبکہ مسلمانوں کی تعداد انتہائی کم تھی، نازل ہوئی ہے۔ ذیل میں اس آیت کے شان نزول اور اس سے مجبوری کی حالت میں تقیہ کے جواز کا حکم استنباط کرنے کے بارے میں اہل سنت علماء ومفسرین کے اقوال پیش کیئے جاتے ہیں۔

مفسرین اہل سنت کے اقوال

۱۔ فخر الدین رازی (م ۶۰۴ھ)

علامہ رازی اس آیت کے ذیل میں چند مسائل کے عنوان سے، مسئلہ دوم میں عمار بن یاسرؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے بارے میں رسول خداؐ سے عرض کیا گیا: اے رسول خداؐ! عمارؓ

---

(۳۲) سورہ نحل، آیت ۱۰۶ (ترجمہ مولوی نذیر احمد)

کافر ہوگئے ہیں۔آپؐ نے فرمایا: ہرگز (ایسانہیں ہوسکتا)! عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان سے لبریز ہے اور ایمان اس کے گوشت وخون سے ملا ہوا ہے۔اس کے بعد عمارؓ روتے ہوئے رسول خداؐ کے پاس آئے، رسول خداؐ نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرمایا: کیوں عمارؓ کیا بات ہے؟ پھر بھی اگر وہ کفار تم سے ایسی بات کہلوانا چاہئیں، تو کہہ دینا"۔(۳۳)

اس کے بعد امام رازی "المسالة الرابعة" کے تحت لکھتے ہیں:

﴿یجب ههنا بیان الإکراه الذی عنده یجوز التلفظ بکلمة الکفر، وهو أن یعذبه بعذاب لاطاقة له به، مثل التخویف بالقتل، ومثل الضرب الشدید والایلامات القویة﴾(۳۴)

یعنی "یہاں اکراہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔جس کی وجہ سے کلمہ کفر کہنا جائز ہے۔اس اکراہ سے مراد یہ ہے کہ (انسان کو) ایسا سخت عذاب کیا جائے جس کے برداشت کرنے کی اس میں طاقت نہ ہو مثلاً قتل یا شدید مار پیٹ کا خوف یا اسی قسم کی اور تکالیف"۔

"المسألة الخامسة" کے تحت وہ لکھتے ہیں:

﴿أجمعوا علی أن عند ذکر کلمة یجب علیه أن یبرئ قلبه من الرضا به وأن یقتصر علی التعریضات مثل أن یقول إن محمداً (ص) کذاب، ویعنی عند الکفار، أو یعنی به محمداً آخر، أو یذکره علی نیة الاستغمام بمعنی الإنکار﴾(۳۵)

---

(۳۳) التفسیر الکبیر، ج ۲۰، ص ۹۷۔

(۳۴) ایضاً

(۳۵) ایضاً

یعنی ''اس پر اجماع قائم ہے کہ کلمہ کفر کہتے وقت اس پر واجب ہے کہ دل سے اس پر راضی نہ ہو اور یہ کہ تعریضات کہنے پر اکتفا کرے مثلاً (معاذ اللہ) کہے محمد (ص) جھوٹا ہے اور مراد یہ ہو کہ کافروں کے نزدیک یا کوئی محمد مراد لے، یا استفہام انکاری کے طور پر ایسا کہے''۔

اس کے بعد وہ "المسالة السابعة" کے تحت اکراہ کے مراتب بیان کرتے ہیں۔

۲۔ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ)

سیوطی اپنی تفسیر درمنثور میں اس آیت کے ذیل میں ابی عبیدہ بن محمد بن عمار سے روایت کرتے ہیں:

﴿قال: اخذ المشركون عمار بن الياسر فلم يتركوه حتىٰ سب النبی (ص) وذكر آلهتهم بخير ثم تركوه فلما أتى رسول الله (ص) قال: ماوراء ك شئی؟ قال: شرٌ ماتركتُ حتىٰ نلت منک وذكرتُ آلهتهم بخير. قال (ص): كيف تجد قلبک. قال: مطمئن بالإيمان. قال: ان عادوا فعد، فنزلت "إِلَّا مَن أُكرِه وقلبه مطمئن بالإيمان﴾. (۳۶)

یعنی ''مشرکین نے عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور اس کو نہیں چھوڑا جب تک کہ اس نے پیغمبر (ص) کو سب نہیں کیا اور مشرکین کے خداؤں (بتوں) کو اچھا نہیں کہا۔ اس کے بعد عمارؓ کو چھوڑ دیا۔ پس جب عمارؓ پیغمبر خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ''وہاں تمہارا کیا حال تھا؟ عمارؓ نے عرض کی: ''بہت برا تھا، کیونکہ انھوں نے مجھے نہیں چھوڑا جب تک آپؐ کی توہین

---

(۳۶) الدر المنثور، ج ۵، ص ۱۷۰۔

نہیں کرلی اور مشرکوں کے خداؤں (بتوں) کو اچھا نہیں کہہ دیا۔ جناب رسول خدا (ص) نے فرمایا: اے عمارؓ! تم نے اپنے دل کو اس وقت کیسا پایا؟ عرض کی: یارسول اللہ (ص)! میرا دل ایمان سے مطمئن تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اے عمارؓ! اگر پھر کبھی ایسا موقع آئے تو اسی طرح کہہ دینا۔ اس پر آیہ مجیدہ "**إلّا من اکرہ وقلبه مطمئن بالایمان**" نازل ہوئی"۔

۳۔ابوالحسن ماوردی شافعی (۴۵۰ھ)

النکت والعیون میں لکھتے ہیں:

﴿قال الکلبی: نزل ذلک فی عماربن یاسر وأبویه، یاسروسمیه وبلال وصهیب وخباب، أظهروالکفربالإکراه وقلوبهم مطمئنة بالإیمان﴾(۳۷)

"کلبی کا کہنا ہے: یہ آیت عمار بن یاسر اور ان کے والدین یاسر وسمیہ اور بلال وصہیب وخباب (رضی اللہ عنھم) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ انھوں نے بالاجبار کفر اختیار کرلیا تھا جبکہ ان کے دل ایمان سے مطمئن تھے"۔

ماوردی مذید لکھتے ہیں: **﴿فاذاأکره علی الکفرفأظهره بلسانه وهومعتقدالإیمان بقلبه عن نفسه بماأظهر، ویحفظ دینه لماأضمرفهوعلی إیمانه ولولم یضمره لکان کافراً﴾(۳۸)**

"جب بھی انسان کفر کا اظہار کرنے پر مجبور ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ اسے زبان پر جاری کرلے جبکہ دل میں اپنے ایمان پر قائم رہے تاکہ اس اظہار کے ذریعے اپنی جان کو خطرے سے بچاسکے اور جو کچھ اس کے

(۳۷) النکت والعیون، ج۳، ص۲۱۶۔

(۳۸) ایضاً

دل میں ہے اس کے ذریعے اپنے دین کی حفاظت کر سکے اور اگر وہ اس (اپنے ایمان) کو پنہان نہ کرے تو کافر ہے"۔

۴۔ قاضی بیضاوی (م ۶۸۵ ھ)

بیضاوی اپنی تفسیر میں اس آیت کے شان نزول میں عمار بن یاسر اور ان کے والدین کا واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿وهما اول قتيلين فی الاسلام واعطاهم عمار بلسانه ما أرادوا مكرهاً فقيل: يارسول الله إن عمارا كفر فقال كلا!إن عمار ملئ ايماناً من قرنه إلىٰ قدمه واختلط الإيمان بلحمه ودمه،فأتى عمار رسول الله(ص)وهو يبكى فجعل رسول الله(ص)يمسح عينيه ويقول: "مالک؟إن عادوا لک فعدلهم بماقلت". وهو دليل على جواز التكلم بالكفر عند الاكراه﴾(۳۹)

"جناب عمارؓ کے والدین یاسرؓ اور سمیہؓ دونوں اسلام میں سب سے پہلے مقتول ہیں اور عمارؓ اجبار و اکراہ کی حالت میں قریش کی خواہش کے مطابق (زبان پر) مکر و باتیں لے آئے تھے۔ پس پیغمبر اسلامؐ سے عرض کی گئی کہ عمارؓ کافر ہو گئے ہیں۔ پس پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں! کیونکہ عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرے ہوئے ہیں اور ایمان ان کے گوشت اور خون میں ملا ہوا ہے۔ اتنے میں عمارؓ روتے ہوئے آ گئے۔ پیغمبر (ص) نے ان کے آنسو صاف کیے اور فرمایا: کیوں عمار کیا بات ہے، پھر بھی اگر وہ کفار تم سے ایسی بات (جبراً) کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا (یہاں قاضی بیضاوی کہتے ہیں) یہ (آیت) اکراہ و اجبار کے وقت کلمہ کفر کہہ دینے کے جواز پر دلیل ہے"۔

---

(۳۹) تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۴۲۶۔

۵۔جاراللہ زمخشری (م۵۳۸ھ)

زمخشری نے بھی اس آیت کے شان نزول میں اسی مضمون کے ساتھ عمار یاسرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے۔(۴۰)

۶۔امام بغوی (م۵۱۰ھ)

بغوی قتادہ سے نقل کرتے ہیں:

﴿قال قتادہ اخذبنو المغیرہ عمارا وعظوہ فی بیر میمون وقالوا لہ بمحمد(ص)فتابعھم علیٰ ذلک وقلبہ کارۃ فاخبر رسول اللہ(ص)بان عمارا اکفر فقال: کلا إن عمارا ملیٔ ایماناً من قرنہ إلیٰ قدمیہ واختلط الإیمان بلحمہ ودمہ..... الخ ماقالہ البیضاوی﴾(۴۱)

یعنی ''قتادہ کا کہنا ہے کہ بنی مغیرہ نے عمار بن یاسرؓ کو پکڑ لیا اور میمون کے کنوئیں میں اس کو ڈبو دیا اور اس سے کہا: محمدؐ سے انکار کر۔ عمارؓ نے ان کے اس کہنے کی متابعت کی لیکن دل سے وہ راضی نہیں تھے۔ پس پیغمبرؐ کو یہ خبر دی گئی کہ عمارؓ کافر ہوگیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں، کیونکہ عمارؓ سر سے پاؤں تک ایمان سے مملو ہیں اور ایمان ان کے گوشت و خون میں ملا ہوا ہے الخ (اس کے بعد وہی عبارت ہے جو تفسیر بیضاوی میں نقل ہو چکی ہے)

---

(۴۰) الکشاف، ج۲، ص۴۳۰۔

(۴۱) تفسیر معالم التنزیل، ج۳، ص۱۵۱۔

۷۔مراغی (م۱۳۶۴ھ)

اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أكراه وقلبه مطمئن بالإيمان﴾ أى إن من كفر بالله بعد ايمان و التبصر فعليه غضب من الله إلا إذا أكراه على ذلک وقلبه ملئ بالإيمان بالله و التصديق برسوله، فلا تثريب عليه كما فعل عمار بن ياسرؓ﴾ (۴۲)

﴿من كفر بالله من بعد ايمانه﴾ یعنی جو بھی ایمان لانے اور بصیرت و آگاہی حاصل کرنے کے بعد کافر ہو جائے اس پر غضب خدا ہے، مگر یہ کہ کفر پر مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل خدا پر ایمان اور اس کے رسول (ص) کی تصدیق سے مملو ہو تو اس سے کوئی سرزنش نہیں ہو گی جیسا کہ عمار یاسرؓ نے کیا تھا"۔

۸۔امام شافعی (م۴۵۸ھ)

امام شافعی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے: ﴿أن قول المكره، كمالم يقل فى الحكم﴾ "از نظر حکم شرعی، مجبور انسان کا قول، ایسے ہی ہے جیسے اس نے کچھ نہ کہا ہو"۔

﴿وقد أطلق الشافعى (رحمة الله) القول فيه: واختار: أن يمين المكره: غير ثابتة عليه﴾ اور شافعی کا یہ قول مطلق ہے۔ نیز ان کا یہ نظریہ بھی ہے کہ مکرہ شخص کا قسم کھانا اس کے خلاف کوئی چیز ثابت نہیں کرتا"۔ یہ قول عطاء بن رباح (م۱۱۴ھ) کی طرف بھی منسوب ہے کہ جو بزرگ تابعین میں سے ہیں۔ (۴۳)

---

(۴۲) تفسیر المراغی، ج۱۴، ص۱۴۶۔

(۴۳) احکام القرآن (شافعی)، ج۲، ص۱۱۴، ۱۱۵۔

۹۔ابی بکر جصاص حنفی (م ۳۷۰)

ابی بکر جصاص حنفی، ابی عبیدہ بن محمد بن عمار یاسرؓ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

﴿هذا اصل فی جواز إظهار كلمة الكفر فی حال الإكراه والأكراه المبيح لذلک هو ان يخاف على نفسه او أعضائه التلف ان لم يفعل ماامره به فابيح له فی هذه الحال أن يظهر كلمة الكفر﴾(۴۴)

''یہ بات، اکراہ و اجبار کی حالت میں کفر کا اظہار کرنے کے جواز میں ''اصل'' ہے اور جس اکراہ کی وجہ سے (کلمہ کفر کہنا) مباح ہو جاتا ہے یہ ہے کہ انسان اجبار و اکراہ کرنے والے کا حکم اجراء نہ کرنے کی صورت میں اپنی جان یا بعض اعضاء کے کاٹے جانے کا خطرہ محسوس کرتا ہو اس حالت میں اس کے لیے کلمہ کفر زبان پر جاری کرنا مباح ہو جاتا ہے''۔

اس کے بعد جصاص لکھتے ہیں:

''اگر انسان قتل ہو جانے یا اعضاء کے کاٹے جانے کی دھمکی کے ساتھ نشہ آور چیزیں پینے یا مردار کھانے پر مجبور ہو جائے تو یہ سب انجام دینا اس کے لیے ناگزیر ہو جاتا ہے اگر وہ یہ کام انجام نہ دے تو گناہگار ہو گا کیونکہ خداوند نے ضرورت کی حالت میں اور جان کے خوف کے سبب اس کے لیے یہ سب کچھ مباح کر دیا ہے اور پھر وہ اس مطلب پر آیہ مجیدہ ''**إلا ما اضطررتم اليه**'' (۴۵) سے استدلال کرتے ہیں۔ (۴۶)

---

(۴۴) احکام القرآن (جصاص)، ج ۳، ص ۱۹۲۔

(۴۵) سورہ انعام، آیت ۱۱۹۔

(۴۶) احکام القرآن (جصاص)، ج ۳، ص ۱۴۹۔

اس کے بعد بصاص وہ امور ذکر کرتے ہیں کہ جن میں تقیہ کرنا صحیح ہے اور قذف کو بھی ان امور میں شمار کرتے ہیں اور پھر وہ امور بیان کرتے ہیں جن میں تقیہ درست نہیں مثل قتل، زنا وغیرہ کیونکہ یہ امور انسانوں پر ظلم اور تجاوز شمار ہوتے ہیں"۔(۴۷)

ان کے علاوہ جن مفسرین اور علماء نے اس آیت سے حالت اکراہ میں حق کے خلاف بات کہہ دینے کا جواز استنباط کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ فقیہ حنبلی ابن قدامہ (م ۶۲۰ھ)۔(۴۸)

۲۔ قرطبی مالکی (م ۶۷۱ھ)۔(۴۹)

۳۔ مفسرِ شافعی معلّٰی بن محمد المعروف خازن (م ۷۴۱ھ)۔(۵۰)

۴۔ کیاھراسی شافعی (م ۵۰۴ھ)۔(۵۱)

۵۔ ابن عربی مالکی (م ۵۴۳ھ)۔(۵۲)

۶۔ ابن جزی کلبی غرناطی مالکی (م ۷۴۱ھ یا ۷۴۷ھ)۔(۵۳)

---

(۴۷) ایضاً

(۴۸) المغنی، ابن قدامہ، ج ۸، ص ۲۶۲۔

(۴۹) الجامع الاحکام القرآن، قرطبی، ج ۱۰، ص ۱۸۱۔

(۵۰) تفسیر خازن، ج ۱، ص ۲۷۷۔

(۵۱) احکام القرآن (کیاھراسی)، ج ۳، ص ۲۴۶۔

(۵۲) احکام القرآن، ابن عربی، ج ۳، ص ۱۱۷۷ تا ۱۱۸۲۔

(۵۳) تفسیر ابن جزی محمد بن کلبی، ص ۳۶۶۔

۷۔ تاج الدین حنفی (م۷۴۹ھ)۔(۵۴)

۸۔ ابن کثیر شافعی (م۷۷۴ھ)۔(۵۵)

۹۔ شیخ اسماعیل حقی البروسوی حنفی (م۱۱۳۷ھ)۔(۵۶)

۱۰۔ امام شوکانی زیدی (م۱۲۵۰ھ)۔(۵۷)

اہل سنت کے تفسیری اقوال اور منابع میں سے مذکورہ آیات کے علاوہ دوسری چند آیات مثل آیہ مومن آل فرعون (۵۸) اور سورہ کھف کی بعض آیات (۵۹) کہ جن میں اصحاب کھف کا تذکرہ کیا گیا ہے اور سورہ انعام کی آیہ اضطرار (۶۰) اور آیہ مجیدہ ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلىٰ التهلكه﴾ (۶۱) سے بھی جواز تقیہ استنباط ہوتا ہے اور ان کے تفسیری اقوال سے ضرورت و اضطرار کی حالت میں حرام کے حلال ہو جانے کا جواز تقیہ کے مورد کو بھی شامل ہوتا ہے لیکن اختصار کے پیش نظر فقط انہی دو آیات پر اکتفاء کیا جاتا ہے کہ جن سے تقیہ کا جواز اور مشروعیت اھل سنت علماء و مفسرین کی نظر میں بخوبی واضح ہو جاتی ہے (۶۲) اور یہ بات بھی روشن ہوتی ہے کہ تقیہ کا جواز تمام اسلامی مذاھب کے نزدیک قرآنی اساس و بنیاد کی وجہ سے ناقابل انکار حقیقت ہے۔

---

(۵۴) الدر اللقیط، من البحر المحیط ج۵، ص۵۳۷، ۵۳۸۔

(۵۵) تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر، ج۲، ص۶۰۹۔

(۵۶) روح البیان، ج۵، ص۸۴۔

(۵۷) فتح القدیر، شوکانی، ج۳، ص۱۹۷۔

(۵۸) سورہ غافر، آیت ۲۸۔

(۵۹) سورہ کھف، آیت ۱۹، ۲۰۔

(۶۰) سورہ انعام، آیت ۱۱۹۔

(۶۱) سورہ بقرہ، آیت ۱۹۵۔

(۶۲) تفصیل کے لیے دیکھیئے کتاب ''واقع التقیۃ عند المذاھب والفرق الاسلامیۃ غیر الشیعۃ الامامیۃ، ثامر العمیدی، مطبوعہ قم۔

۳۔سنت

اب سنت یعنی قول وفعل رسولؐ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اوراہل سنت کے روائی وتاریخی منابع سے ایسے شواھد نقل کیئے جاتے ہیں جن سے تقیہ کا جواز اوراس پر مسلمانوں کا عمل پیراہونا ثابت ہوتا ہے۔

۱۔ امام بخاری، صحیح بخاری میں آیہ مجیدہ ''اِلاَّ اَن تَتَّقُوا مِنهُم تُقٰاةً'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''وَ هِیَ تَقِیَّةً'' یعنی اس سے مراد ''تقیہ'' ہے۔

پھرآگے چل کر لکھتے ہیں:

''وَ قال الحسن التقية إلىٰ يوم القيامة'' یعنی حسن بصری کہتے ہیں کہ ''تقیہ قیامت تک باقی ہے''۔(۶۳)

۲۔ متقی ہندی، اپنی کتاب کنز العمال میں لکھتے ہیں: ''لادين لمن لاتقية له''(۶۴)

یعنی جوتقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔

۳۔ امام بخاری: اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر کی سند کے ساتھ حضرت عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ﴿أنه استأذن على النبی(ص)رجل فقال ائذنوا له فبئس ابن العشيرة أوبئس أخو العشيرة فلما دخل ألان له الكلام فقلت له يارسول الله(ص)قلت ثم ألنت له فی القول فقال أی عائشة:إن شر الناس منزلةً عند الله من تركه أو ودعه الناس اتقاءَ فحشه﴾(۶۵)

---

(۶۳) صحیح بخاری، ج۸، کتاب الاکراہ، ص۳۷۹۔ (۶۴) کنز العمال، ج۳، ص۹۶۔

(۶۵) صحیح بخاری، ج۷، ص۱۳۳، باب۸۲، المدارۃ مع الناس۔

یعنی ''ایک شخص نے پیغمبر اکرم (ص) کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، آنحضرتؐ نے فرمایا: اسے اجازت دو کہ وہ ایک برے قبیلے کا بیٹا ہے یا اس قبیلہ کے برے افراد میں سے ہے۔ جب وہ شخص گھر میں وارد ہوا، پیغمبر اکرم نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی۔ میں نے پیغمبر اکرم (ص) سے عرض کی: یارسول اللہ (ص)! آپؐ تو اس کے بارے میں ویسی بات فرما رہے تھے، لیکن پھر اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اے عائشہ! خداوند کے نزدیک لوگوں میں سے سب سے برا شخص وہ ہے کہ لوگ اس کی بدزبانی سے بچنے کے لیے اس سے دور ہو جائیں یا اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں''۔

حضرت عائشہ سے منقول روایت سے پتہ چلتا ہے کہ رسول خداؐ نے اپنے پیروکاروں میں سے ایک شخص کی بدزبانی کی خاطر اس سے تقیہ کرتے ہوئے اپنے باطنی میلان کے برعکس اس سے برتاؤ کیا ہے جب پیغمبر اکرمؐ جیسی ہستی لوگوں کے ساتھ مدارا کرنے کی خاطر تقیہ کر سکتی ہے تو ان کے پیروکار کسی ظالم کے ظلم سے بچنے یا کسی بدزبان کے ضرر سے محفوظ رہنے کی خاطر کیوں نہیں تقیہ کر سکتے؟

۴۔ علامہ فخر الدین رازی نے حسن بصری کے حوالے سے لکھا ہے:

﴿قال الحسن أخذمسيلمة الكذاب رجلين من أصحاب رسول الله(ص)فقاللأحدهما: أتشهدأن محمداًرسول الله؟قال: نعم،نعم،نعم،فقال: أفتشهد أني رسول الله؟قال: نعم ومكان مسيلمة يزعم أنه رسول بني حنفيه ومحمدرسول قريش،فتركه ودعاالآخرفقال: أتشهد أن محمداًرسول الله؟قال: نعم،قال أفتشهدأني رسول الله؟فقال إني أصم ثلاثاً،فقدمه وقتله فبلغ ذلک رسول

اللہ(ص)فقال:أماهذا المقتول فمضى على يقينه وصدقه فهنيئاً له،وأماالآخرفقبل رخصة اللهفلا تبعة عليه﴾(٦٦)

یعنی''حسن بصری کہتے ہیں:مسیلمہ کذاب نے اصحاب پیغمبر(ص)میں سے دو افراد کو پکڑ لیا۔اس نے ان میں سے ایک سے کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں؟اس نے جواب دیا:ہاں۔پھر مسیلمہ نے پوچھا:کیا گواہی دیتے ہو کہ میں رسول خدا ہوں؟اس نے کہا:ہاں۔مسیلمہ خیال کرتا تھا کہ وہ بنی حنفیہ کا رسول ہے اور محمدؐ قریش کے رسول ہیں۔پس مسیلمہ نے اس شخص کو چھوڑ دیا اور دوسرے شخص کو بلایا اور کہا:کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ،خدا کے رسول ہیں؟اس شخص نے کہا:ہاں۔پھر مسیلمہ نے اس سے تین بار پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟اس شخص نے کہا:میں بہرا ہوں مجھے سنائی نہیں دیتا۔مسیلمہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔جب پیغمبر اکرم(ص)کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا:اس مقتول(کہ جو شہید ہو گیا ہے)نے اپنے یقین پر عمل کیا ہے اور سچ کہا ہے پس اسے یہ(شہادت)مبارک ہو اور دوسرے نے خدا کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا ہے پس اس کا مقام بھی کم نہیں ہے۔

تاریخ اسلام کا یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اصحاب رسولؐ خطرے سے بچنے کے لیے''تقیہ''جیسی رخصت سے استفادہ کرتے تھے اور پھر خود رسول خداؐ کی جانب سے دونوں افراد کی تجلیل وتکریم سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تقیہ پر عمل خدا اور رسولؐ کا پسندیدہ عمل ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پیغمبرؐ ہرگز دوسرے فرد کی تجلیل نہ فرماتے اور اس کے مقام ومرتبے کی گواہی نہ دیتے۔

---

(٦٦)تفسیر الکبیر،ج۸،ص۱۲۔

۵۔ گذشتہ صفحات میں آیہ مجیدہ ''من کفر باللہ بعد إیمانہ الخ'' کے شان نزول میں عمار بن یاسرؓ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جسے تمام اھل سنت مفسرین نے نقل کیا ہے اس واقعہ میں عمار یاسرؓ کے تقیہ کرنے حتی خوف وخطرے کی بناء پر پیغمبر اسلام ؐ کا عمارؓ کے ایمان کی گواہی دینا اور انھیں پھر ویسا ہی عمل کرنے کی تلقین کرنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ صدر اسلام کے مسلمانوں کے نزدیک تقیہ ایک مشروع وجائز فعل تھا اور خود پیغمبر اکرم ؐ اس پر راضی تھے اور پھر آیہ مجیدہ کی صورت میں تائید الٰہی بھی تقیہ کی مشروعیت کو مذید یقینی بنا دیتی ہے۔

۶۔ خوف وخطر اور اکراہ واجبار کے وقت اپنی جان بچانے یا کسی دوسرے مسلمان کی جان بچانے کے لیے علمائے اہل سنت نے ''کذب'' کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ دنیائے اھل سنت کی بعض برجستہ شخصیات نے اس مصلحت آمیز کذب کے جواز کا فتویٰ دیا ہے جن میں سے ایک امام غزالی ہیں وہ لکھتے ہیں:

﴿إن عصمة دم المسلم واجبة، فمهما كان القصد سفک دم مسلم قد إختفى من ظالم فالكذب فيه واجب﴾

یعنی ''مسلمان کے جان کی حفاظت واجب ہے پس اگر کوئی ظالم مسلمان کا خون بہانے کا قصد کرے تو اسے بچانے کے لیے جھوٹ بولنا واجب ہے''۔

ایک دوسری جگہ وہ لکھتے ہیں: ''ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی جان و مال کو ان لوگوں سے بچانے جو وہ اس سے ظلم کے ساتھ لینا چاہتے ہیں اسی طرح ان کے سامنے اپنی عزت و آبرو کی زبان کے ذریعے حفاظت کرے خواہ اسے جھوٹ ہی کیوں نہ بولنا پڑے.....'' (۶۷)

---

(۶۷) احیاء العلوم الدین، ج ۳، ص ۱۳۷۔

علامہ نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس کوئی انسان چھپا ہوا ہو اور کوئی اسے قتل کرنے کی نیت سے آجائے یا کسی کے پاس امانت موجود ہو اور کوئی اسے غصب کرنا چاہے تو اس آدمی پر اخفا لازم ہے پھر لکھتے ہیں: ''هذا كذبٌ جائزٌ بل واجب'' یعنی یہ جھوٹ نہ صرف جائز ہے بلکہ واجب ہے۔ اور مزید لکھتے ہیں: ''قد اتفق الفقهاء'' اس پر فقہا کا اجماع ہے۔(٦٨)

محمد بن عقیل علوی حضرمی اپنی کتاب ''النصائح الكافيه'' میں لکھتے ہیں:

﴿قلت اتفق اصحابنا على جواز الكذب عند الضرورة بل وللمصلحة وهو عين التقية لكن ان عبرت عنه بلفظ التقية منعه كثير منهم لكونه من تعبيرات الشيعه فالخلاف فيما يظهر لفظي والله اعلم﴾(٦٩)

یعنی میں کہتا ہوں: ہمارے علماء (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ ضرورت بلکہ مصلحت کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے اور یہ بعینہ تقیہ ہے البتہ اگر اسے لفظ ''تقیہ'' سے تعبیر کریں تو بہت سے علماء نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ یہ تعبیر شیعوں کی ہے۔ لہذا بظاہر صرف لفظی اختلاف ہے واللہ اعلم۔

ان سب باتوں کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ تقیہ جیسا مسئلہ قرآن وسنت اور سیرت صحابہ وتابعین کی بنیاد پر جائز ہے اور اس کے جواز ومشروعیت سے انکار، قرآنی نص، سنت رسولؐ اور سیرت صحابہ کو جھٹلانے کے علاوہ صریحی طور پر عقل وفطرت کی خلاف ورزی ہے لیکن تقیہ

---

(٦٨) شرح مسلم، ج ۲، ص ٢٦٦۔

(٦٩) النصائح الکافیہ، ص ١٩٠، ١٩١۔

کالفظ، بعض تاریخی وجوہات کی بناء پر شیعہ امامیہ مسلمانوں کے ساتھ مختص ہوجانے کی وجہ سے اہل سنت کے لیے اجنبی بن چکا ہے جس کا سبب اپنی جگہ بیان ہوگا کہ تقیہ کن وجوہات کی بناء پر شیعوں سے مختص ہوگیا ہے۔ پس نزاع لفظی ہے اہل تشیع اسے تقیہ کہتے ہیں اہل سنت اسے کبھی موالات کبھی مدارات اور کبھی کذب جائز کہہ دیتے ہیں۔ رہی بات ان لوگوں کی کہ جو تعصب کی اندھی وادی میں بٹکنے یا اپنے دنیوی مقاصد حاصل کرنے کی خاطر، تقیہ جیسے اسلامی مفہوم کو جھوٹ، نفاق، دھوکہ اور فریب جیسے ناموں سے پکارتے ہیں تو ان کے اس بلا دلیل ادعا اور مجادلے کا جواب نہ گذشتہ لوگ دے سکے ہیں نہ آئندہ نسلیں دے سکیں گی۔ چونکہ مفاد پرستی، ہٹ دھرمی اور تعصب جیسی بیماریاں ہر دور میں لاعلاج رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساتویں فصل:

تقیہ اور مذہب شیعہ

گذشتہ صفحات میں تقیہ کی مشروعیت اوراس فقہی رخصت کے بارے میں ادلہ چہارگانہ کے حوالہ سے بحث کی گئی ہے اوراپنی جگہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ دین اسلام میں انسان خطرے اورخوف کے مقام پر بغیر کسی بڑے اوراہم مقصد کے اپنی جان ومال کوضائع کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اسے چاہیے کہ ایسے مواقع پراپنا دفاع کرے اوراپنا مرام ومسلک اوردین پنہان رکھ کرظالموں کے ظلم سے محفوظ رہے جسے لسان شرع میں تقیہ کہا گیا ہے اوریہ بھی وضاحت کی جاچکی ہے کہ تقیہ کا مسئلہ ہر دوراور ہر مقام پرانسان کوپیش آسکتا ہے اورایک ایماندار شخص کسی بھی وقت اپنے ایمان اورعقیدے کی وجہ سے خطرات میں مبتلا ہوسکتا ہے جیسا کہ ''بخاری'' کی روایت کے مطابق حسن بصری کا کہنا ہے کہ ''تقیہ تا قیامت جائز ہے۔''

لیکن دین اسلام اورعقل ومنطق کی روسے تقیہ کے جواز کے باوجود اسلامی مذاہب میں سے فقط مذہب شیعہ امامیہ ہی کے ساتھ یہ عقلی وشرعی رخصت مختص ہوچکی ہے یہاں تک کہ تقیہ اورشیعہ لازم وملزوم بن گئے ہیں جہاں بھی تقیہ کا نام آتا ہے،اسم شیعہ بھی اسی کے ہمراہ ذہن میں آجاتا ہے اس کی بہت سی وجوہات ہیں:ایک یہ کہ شیعوں کے دشمنوں نے ہر دور میں تقیہ کے مفہوم کوغلط معانی میں پیش کرکے اسے اُنکے خلاف بطورطعن وتشنیع کے استعمال کیا ہے حتیٰ کہ تقیہ پر دلالت کرنے والی آیات شریفہ کے ذیل میں تقیہ کی مشروعیت کو بیان کرنے کے بعد اکثر متعصب مفسرین

نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

''البتہ اس کا تعلق شیعوں کے تقیہ سے نہیں ہے۔''(۱) یعنی شیعہ جس تقیہ کے قائل ہیں وہ جائز نہیں اس تعصب آمیز رویہ کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہے۔تقیہ اور شیعہ کے درمیان مقارنت کی دوسری وجہ شیعہ مسلمانوں کا قرآن وعترت رسولؐ کی پیروی میں فہم دین اور اسلام شناسی کے اعلیٰ مراحل کو طے کرنا ہے،شیعہ امامیہ اسلام وقرآن کی تفسیر وتوضیح میں اہل بیت عصمت وطہارت ؑ جیسے علوم ومعارف کے اصیل منبع سے سیراب ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قرآنی واسلامی مفاہیم کے ادراک میں غلطی سے محفوظ رہتے ہیں۔دینی مفاہیم میں سے ایک تقیہ ہے جس کی بنیادیں قرآنی تعلیمات پر استوار ہیں۔اس مطلب کی وضاحت تفصیل کے ساتھ گذشتہ صفحات میں کی جاچکی ہے۔اس کے علاوہ ایک دوسری اہم چیز کہ جس کی وجہ سے تقیہ شیعہ امامیہ کے ساتھ مختص ہو چکا ہے وہ تقیہ کا تاریخی زمینہ ہے کہ جو صدر اسلام سے لیکر آج تک شیعوں کے لئے ہموار رہا ہے یہ اہل تشیع کی خونچکاں تاریخ ہے کہ جس نے ہر دور میں شیعوں کو تقیہ کرنے پر مجبور کیا ہے یہ وہ تاریخی نشیب وفراز اور پُر رنج وملال حالات ہیں کہ جو شیعہ کے تقیہ کا باعث بنے ہیں یہ حکام ظلم وجور ہیں کہ جو ہر دور میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے پیروکاروں کو تقیہ کرنے پر وادار کرتے ہیں یہ شیعہ مخالف اکثریت کا تعصب آمیز اور تنگ دلی پر مبنی رویہ ہے کہ جس نے شیعوں کو تقیہ جیسی سِپَر وڈھال سے استفادہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے تا کہ وہ اپنی جان ومال،عزت وناموس اور دین وایمان کو محفوظ رکھ کر اپنی اجتماعی وسیاسی زندگی کو جاری رکھ سکیں اس سلسلے میں معروف دانشور ڈاکٹر حمید عنایت لکھتے ہیں:

---

(۱) ضیاء القرآن،جلد ۱،ص ۲۲۱،معارف القرآن،جلد ۱،ص ۱۷۴ اور دوسری تفاسیر اہل سنت۔

''شیعہ کا تقیہ کی ضرورت سے استفادہ کرنا، ایک تحت تعقیب اقلیت کی طرف سے احتیاط جیسی اصل معقول کی رعایت کرنا ہے شیعہ اپنی تاریخ کے ایک بڑے حصے میں عالمی اسلامی معاشرے میں ایک اقلیت کی حیثیت سے رہے ہیں اور اکثر اوقات انھیں اپنے معتقدات کی مخالف حکومتوں کے ساتھ وقت گذارنا پڑا ہے (اس لئے) ان کے پاس واحد عاقلانہ راستہ کہ جس پر وہ چل سکتے تھے، یہی تھا کہ وہ اپنے عقائد کی آزادانہ تبلیغ اور نشر واشاعت سے حتی المقدور پرہیز کریں اگرچہ جب بھی انھیں مناسب موقعہ ملا ہے وہ حکام ظلم وجور پر حملہ آور ہو کر عام مسلمانوں کے وجدانوں کو جھنجوڑتے رہے ہیں اور اپنی (دینی وسیاسی) ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ تاریخ اسلام میں یہ محتاط رویہ فقط شیعوں ہی نے نہیں اپنایا بلکہ دوسرے تمام مسالک اور گروہ بھی جب متجاوزین (اور ظالمین) کے روبرو ہوئے ہیں تو انھوں نے بھی یہی حکمت عملی اختیار کی ہے لیکن یہ روش فقط اہل تشیع سے مختص ہو کر رہ گئی ہے۔ (۲)

شیعہ اور ظالم وخودسر حکمران

شیعوں کے لئے تقیہ کے اس تاریخی زمینہ کی دلیل وہ تاریخی حوادث اور واقعات ہیں کہ جو خودسر وظالم حکام کی طرف سے طول تاریخ میں وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔ شیعوں نے حکام جور اور خودسر وظالم حکمرانوں کے مقابلے میں پُر رنج وملال زندگی گذاری ہے۔ لہذا تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی امیہ وبنی عباس کے خلفاء میں سے ہر ایک خلیفہ نے آئمہ اطہار علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے لئے طاقت فرسا مشکلات ومصائب کھڑے کر رکھے تھے اور شیعہ کبھی تو ان مصائب کے مقابلے میں قیام کرتے تھے اور کبھی تقیہ کرنے میں ہی اپنی مصلحت جانتے تھے۔

---

(۲) اندیشہ سیاسی در اسلام معاصر، ص ۲۹۹۔

عصر خلفاء

تقیہ کا آغاز فقط بنی اُمیہ اور بنی عباس کے زمانے سے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے پہلے بھی اہل بیتؑ اور انکے پیروکاروں کے لئے تقیہ کی شرائط فراہم تھیں ۔اگر ترتیب کے ساتھ تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو ہم شیعوں کو ہر زمان و ہر مکان پر حکام جور کے مقابلے میں کھڑا دیکھتے ہیں۔

امیر المومنین علیؑ کو اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اسلام و مسلمین کی مصلحت کی خاطر سیاسی تقیہ میں گذارنا پڑا۔ کیونکہ حضرت علیؑ اور دوسرے چند آگاہ صحابہ رحلت پیغمبرؐ کے بعد خلافت اسلامی کے آغاز ہی سے حضرت علیؑ کو اس دینی منصب کا حق دار جانتے تھے۔لیکن کافی تعداد میں حامی و مددگار نہ ہونے کی وجہ سے امامؑ اور آپ کے ساتھیوں کو سکوت اختیار کرنا پڑا اور بقول خود آنحضرتؑ اگر انھیں چالیس مصمم جنگجو مرد مل جاتے تو آپؑ اپنا حقِ خلافت لینے سے دریغ نہ کرتے حضرت علی علیہ السلام اپنے سے پہلے کے خلفاء کے زمانے میں اپنے خاص افکار اور عقائد رکھتے تھے اور ہرگز ان کے ہم فکر و ہم رائے نہیں تھے لیکن دین اور امت کی مصلحت کی خاطر جہاں تک شرعی رخصت تھی ،تقیہ کرتے تھے اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف و تفرقے کو مضر جانتے تھے جب چھ نفری شوریٰ میں آپ کی بیعت کرنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ آپ گذشتہ خلفاء کی سیرت پر عمل کریں تو آپ نے فوراً اس شرط کو ردّ کر دیا اور خلافت کو فقط کتاب و سنت (رسولؐ) کی بنیاد پر قبول کرنے کی حامی بھری جس کے نتیجے میں شوریٰ کی رائے آپؑ کے بارے میں بدل گئی اس کے بعد ظاہری خلافت کی مسند پر بیٹھنے کے بعد بھی آپؑ نے اپنے بہت سے مکنونات قلبی کو ظاہر کرنے سے پرہیز کیا کیونکہ آپؑ رائے عامہ کی فکری پستی اور عدم شعور سے آگاہ تھے اور لوگوں کی مخالفت کو اُمت کے لئے مضر جانتے تھے جب بعض ناگزیر مسائل میں کہ جن میں تقیہ اور سکوت خلاف مصلحت تھا آپؑ نے اپنی رائے

اور عقیدے کا اظہار کیا تو امامؑ کو ناکثین وقاسطین اور مارقین کی عہد شکنی کا سامنا کرنا پڑا اور جس کے نتیجے میں آپؑ طاقت فرسا مشکلات میں گرفتار ہوئے۔ اگر امام علی علیہ السلام اس وقت اپنے قلب کے سب مکنونات ظاہر کر دیتے تو بہت سی دوسری مشکلات آپؑ کے لئے کھڑی ہو جاتیں کہ جن کی تلافی ناممکن ہوتی۔(۳)

عصر بنی امیہ

گو کہ بنی امیہ کی باقاعدہ سلطنت کا آغاز معاویہ بن ابی سفیان کے دور سے ہوتا ہے لیکن پہلے تین خلفاء میں سے خلیفہ سوم، پہلا اموی خلیفہ ہے کہ جس کے دوران حکومت میں اسلام ناب محمدیؐ کے حقیقی پیروکاروں اور امام علی علیہ السلام کے باوفا ساتھیوں کو بہت سے رنج دیکھنے پڑے۔

ابوذر غفاریؓ کہ جو اصحاب پیغمبرؐ میں سے بقول خودِ رسولؐ مخلص ترین اور راست گو ترین صحابی تھے۔ فقط حق گوئی، اہل بیت اطہارؑ کی پیروی اور اپنی تشیع کی وجہ سے خلیفہ سوم کے ظلم وجور کا نشانہ بنے اور آخر کار انھیں ''ربذہ'' کے صحرا میں عالم غربت وبیکسی میں موت کو گلے لگانا پڑا۔

دوسرا اموی حکمران ''معاویہ بن ابی سفیان'' تھا کہ جب اس نے مکر وفریب اور ظلم وستم کے ساتھ اسلامی حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی تو اہل بیت اطہارؑ اور امام علی علیہ السلام کے شیعوں پر وہ جس قدر ظلم وستم کر سکتا تھا، کرتا رہا۔ اس کے ننگ آور کاموں میں سے ایک کام یہ تھا کہ اس نے حضرت علی علیہ السلام پر سبّ ولعن کرنے کی رسم شروع کی اور اپنے اس قبیح فعل پر اسقدر زور دیا کہ خود اس کے بقول ''پوری ایک نسل اسی بنیاد پر پرورش پائی''۔ اس نے شیعیان علیؑ کے خلاف ایک مکمل سرد جنگ شروع کر رکھی تھی اس سلسلے میں یہاں چند تاریخی اسناد پیش کی جاتی ہیں۔

---

(۳) صفحاتی از زندگی امام صادقؑ، ص ۱۵۳۔

مولانا شاہ معین الدین ندوی ''تاریخ اسلام'' میں لکھتے ہیں :

''امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں بر سر منبر حضرت علی علیہ السلام پر سب وشتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے نہ بچ سکے.....''(۴)

ایک دوسری جگہ شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ کی مخالفت کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ اموی تھے پھر حضرت علی علیہ السلام کے خلاف صف آرائی کی اور ان کی مخالفت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان سب پر سب وشتم کا طریقہ جاری کیا پھر امام حسن علیہ السلام پر فوج کشی کی، یزید کو ولی عہد بنایا جس کے زمانے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آیا، بنی امیہ کے زمانے میں جس کے بانی امیر معاویہ ہیں، شیعیان علی پر سختیاں ہوئیں''۔(۵)

معاویہ کے دور حکومت میں بہت سی برجستہ شیعہ شخصیات کو قتل کیا گیا معاویہ نے شیعوں کے قلع قمع کے لئے زیاد بن ابیہ کو کوفہ کا حاکم بنایا اور بصرہ کی حکومت بھی اس کے سپرد کردی۔ ممتاز اہل سنت عالم محمد بن عقیل ابن عبداللہ، ابوالحسن مدائنی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جس سال (۴۱ھ میں) معاویہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے صلح کرلی اس کے فوراً بعد اس نے اپنے ہر گورنر، والی اور حاکم کو یہ پُر ہیبت فرمان لکھ کر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب (حضرت علی) اور ان کے اہل بیتؑ کی فضیلت میں کوئی حدیث، روایت یا کوئی خوبی بیان کرے گا، اس سے حکومت بری

---

(۴) تاریخ اسلام، حصہ دوم، ص ۲۳۔

(۵) ایضاً، ص ۴۲۔

الذمہ رہے گی۔ اس اعلان کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہر شہر و دیہات میں ہر منبر پر خطبہ دینے والے اور وعظ کہنے والے کھڑے ہو کر حضرت علی پر لعنت اور سب وشتم کرنے لگے اور حضرت کو اور حضرت کے اہل بیت کو برا کہنے لگے۔ اس مصیبت میں اس وقت سب سے زیادہ کوفہ والے مبتلا ہوئے کیونکہ اس وقت وہاں حضرت علی کے شیعہ بہت زیادہ تھے اسی لئے معاویہ نے ان پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا اور اس کو کوفہ و بصرہ دونوں مقام کی گورنری دے دی زیاد شیعوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا کیونکہ حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت کے زمانے میں وہ خود بھی شیعہ ہی تھا اس نے ایک ایک شیعہ کو تلاش کر کے گرفتار کیا اور جہاں بھی جو شیعہ ملا اسے قتل کر ڈالا اور جو زندہ بچ گئے ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے، آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں، ان کو درختوں کی شاخوں پر سولی دے دی اور انھیں عراق سے جلاوطن کر دیا یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی معروف شخص عراق میں نہیں بچا۔ معاویہ کی طرف سے تمام والیوں کو حکم تھا کہ شیعہ علی کی گواہی قبول نہ کریں۔ (۶)

معروف شیعہ شخصیات کی شہادت

معاویہ کے دور حکومت میں جن برجستہ علمی و مذہبی شیعہ شخصیات کو ظلم و ستم کے ساتھ قتل کیا گیا ہے ان میں حجر بن عدیؓ (صحابی رسولؐ)، عمرو بن حمق خزاعیؓ، رشید ہجریؒ، میثم تمارؒ، جویریۃ بن مسہر عبدیؒ کے نام شامل ہیں۔

معاویہ کے بعد اس کے بیٹے یزید نے مسند حکومت سنبھالی اور فاجعہ کربلا رونما ہوا۔ یزید کے ہاتھوں کونسا ظلم و ستم تھا کہ جو اہل بیت رسولؐ اور ان کے پیروکاروں پر نہیں کیا گیا۔ ابن زیاد نے

---

(۶) معاویہ و تاریخ، ص ۱۳۵۔

واقعہ کربلا سے پہلے مسلم بن عقیلؑ اور ہانیؓ کو کوفہ میں قتل کر ڈالا اور بہت سے شیعوں کو زندان میں ڈال دیا تا کہ وہ نواسہ رسولؐ کی مدد نہ کر سکیں۔

بنی مروان اور حجاج کا دور

اہل تشیع کو بنی اُمیہ کا یہ ظلم وستم فراموش بھی نہیں ہوا تھا کہ بنی مروان اور حجاج جیسے خونخوار حکمران کا دور شروع ہو گیا اس زمانے کی حالت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس طرح بیان کی ہے کہ جو اس زمانے کے افسوسناک واقعات کے عینی شاہد تھے۔

جب حجاج بن یوسف نے قدرت حاصل کی تو اس نے شیعوں کا بدترین انداز میں قتل عام کی اور وہ بر تہمت اور بدگمانی کی بناء پر انھیں گرفتار کرتا یہاں تک کہ اس کے زمانے میں سختی اور دباؤ اس قدر بڑھ چکا تھا کہ لوگ اس بات پر راضی تھے کہ انھیں کافر و زندیق کہا جائے لیکن علی علیہ السلام کا شیعہ نہ کہا جائے۔ (۷)

بنی عباس کا دور

اگر بنی عباس کے زمانے کا دقت سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عباسی حکمران قساوت اور ظلم وستم میں اموی حکمرانوں سے کم نہیں تھے انھوں نے بھی آل سفیان کی طرح اولاد علی اور اہل بیتؑ کے پیروکاروں کو دردناک صورت میں قتل اور اپنے وطن سے دربدر کیا ہے۔

منصور سے ہارون تک

منصور عباسی کے دور میں شیعہ دوبارہ سخت سیاسی دباؤ میں آ گئے تھے۔ چنانچہ سیوطی لکھتے

---

(۷) الشیعہ والحاکمون، ص ۹۵، بحوالہ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۱۵۔

ہیں: ''منصور پہلا عباسی خلیفہ تھا کہ جس نے علویوں اور عباسیوں کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکائی ۱۴۵ھ میں (حکومت منصور کے نو سال گذر جانے کے بعد) عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کے بیٹوں، محمد وابراہیم نے منصور کے خلاف قیام کیا۔ لیکن وہ دونوں اور بہت سے دوسرے اہل بیتؑ منصور کے ذریعے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔'' (۸)

محمد اسقنطوری کا کہنا ہے:

''میں منصور کے پاس گیا تو دیکھا وہ گہری سوچ میں پڑا ہے۔ میں نے کہا: کیا سوچ رہے ہو۔ اس نے جواب دیا: میں اولاد فاطمہ میں سے ہزار سے زیادہ افراد کو قتل کر چکا ہوں لیکن ان کے بزرگ (حضرت صادق علیہ السلام) کو قتل نہیں کر سکا۔'' (۹)

منصور کا علویوں پر ظلم وستم کرنا انھیں تاریک ونمناک زندانوں میں ڈالنا اور دیواروں کے اندر چنوانا مشہور ہے۔ (۱۰)

منصور کے حکم سے شہید ہونے والوں میں ایک معلّٰی بن خنیس تھے جو امام صادق علیہ السلام کے مقرب اصحاب اور شیعوں میں سے ہونے کے علاوہ امام کے مالی امور کے متصدی بھی تھے منصور نے مدینہ کے گورنر داؤد بن عروہ سے کہا کہ ''وہ معلّٰی کو قتل کر دے۔'' داؤد نے معلّٰی کو بلایا اور انھیں قتل کی دھمکی دی اور ان سے کہا کہ شیعوں کے نام اسے بتائے، معلّٰی نے پائیداری دکھائی اور کہا: خدا کی قسم! اگر ان کے ناموں میں سے کسی ایک کا نام بھی میرے پاؤں کے نیچے ہو تو میں

---

(۸) تاریخ الخلفاء، ص ۲۶۱۔

(۹) الشیعہ والحاکمون، ص ۱۴۹۔

(۱۰) تاریخ مسعودی، ج ۳، ص ۳۱۔

اپنا پاؤں اوپر نہیں اٹھاؤں گا۔ داؤد نے انھیں قتل کر دیا اور ان کا سر، سولی پر لٹکا دیا۔ آخر کار منصور نے امام صادق علیہ السلام کو مسموم کیا اور آپؑ اس کے حکم سے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

یہی صورتحال مہدی عباسی (۱۶۹۔۱۵۸ھ)، ہادی عباسی اور ہارون الرشید (۱۹۳۔۱۷۰ھ) کی حکومت میں بھی باقی رہی اور انھوں نے شیعوں پر ظلم وستم کرنے انھیں زندانوں میں ڈالنے، جلاوطن کرنے اور قتل کرنے میں منصور کے طریقے کو جاری رکھا۔ محمد بن ابی عمیر اور فضل بن شازان (جیسے بلند مرتبہ شیعہ) اسی حکم سے گرفتار ہوئے اور ان پر ظلم وستم کیا گیا۔ (۱۱)

مأمون عباسی کا دور قدرسکون سے گزرا لیکن اس کے دور میں بھی شیعوں اور ان کے آئمہ کے خلاف منافقانہ رویہ اپنایا گیا اور شیعوں کو ذلیل وخوار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔

متوکل عباسی کا زمانہ

جب متوکل (۲۴۷۔۲۳۲ھ) نے حکومت کی باگ دوڑ ہاتھ میں لی تو دوبارہ شیعوں کے خلاف آشکار کینہ توزی اور ظلم وستم شروع ہو گیا اور اہل بیتؑ کے ساتھ رابطہ، سیاسی جرم شمار ہونے لگا۔ متوکل نے علی ابن ابی طالبؑ کی اولاد پر سخت حملے کیئے اور ان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ متوکل شیعیان اہل بیتؑ کے بارے میں سخت بدگمان تھا اور شدید کینہ رکھتا تھا۔ (۱۲)

متوکل نے ''عمر بن فرج رخجی'' کو مکہ ومدینہ کا گورنر بنایا یہ گورنر آل علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ لوگوں کے میل جول کو روکتا تھا اور کسی کو بھی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ ان کی مدد کرے یا ان کے قریب جائے جو بھی اولاد علی علیہ السلام کی معمولی سی بھی مدد کرتا تو بدترین سزا

---

(۱۱) اعیان الشیعہ، ج۱، ص۲۹۔

(۱۲) مقاتل الطالبین، ص۵۵۔

پاتا اوراس سے بھاری جرمانہ لیا جاتا اسی دور میں اولاد علیؑ اس قدر اقتصادی دباؤ میں تھے کہ ایک لباس، چند سیدانیوں کے درمیان گردش کرتا اور وہ ایک ایک کر کے اس لباس کے ساتھ نماز ادا کرتیں اور جب وہ پھٹ جاتا تو اسے پیوند لگائے جاتے۔(۱۳)

بنی عباس کے بعد کا زمانہ

بنی عباس کے بعد پانچویں صدی ہجری کے وسط میں سلجوقی نام کی ایک حکومت نمودار ہوئی جس نے بغداد کی سنی حکومت کو کہ جو زوال اور نابودی کے کنارے پر تھی، نجات دی اور شیعوں کے خلاف نئے سرے سے فعالیت شروع کر دی اس حکومت میں شیعوں کو بہت زیادہ مشکلات پیش آئیں۔

چھٹی صدی (۵۶۵ھ) میں ایوبیوں کی حکومت، صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں تأسیس ہوئی۔ صلاح الدین ایوبی ایک متعصب سنی حکمران تھا وہ شیعوں کے خلاف شدید عدوات وخصومت رکھتا تھا ایوبیوں نے شیعوں کے تمام آثار مٹانے کی کوشش کی صلاح الدین ایوبی نے فاطمی حکومت کو معزول کیا اور اپنے کارندوں کو راتوں رات ان کے گھروں میں داخل کر کے لوٹ مار شروع کر دی جس سے اسقدر شور وغل اور گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہوئیں کہ لوگ اپنے ہوش کھو بیٹھے۔(۱۴)

صلاح الدین ایوبی کے حکم سے روز عاشور کو کہ بنی اُمیہ اور حجاج نے جسے عید کا دن قرار دیا تھا، دوبارہ عید منائی گئی اور ''حی علی خیر العمل'' کو اذان سے ساقط کر دیا گیا۔ اس نے شیعوں پر

---

(۱۳) الشیعہ والحاکمون، ص ۱۶۹۔

(۱۴) الازھر، فی الف عام، ج ۱، ص ۵۸۔

اس حدتک سختی کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ فقط اُس شخص کی گواہی قبول کی جائے جو مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا پیروکار ہو۔ اُس کے دور میں ان چار مذاہب کے پیروکاروں کے علاوہ کوئی بھی شخص خطاب یا تدریس کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔(۱۵)

صلیبی جنگوں کے حوالے سے ایوبی کی خدمات سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں لیکن اس مسلمان حکمران کا ایک تاریک پہلو دشمنی اہل بیتؑ بھی تھا کہ جس پر ہمیشہ پردہ ڈالا جاتا ہے اور تاریخ کے ان سیاہ ابواب کو نہیں کھولا جاتا۔

عثمانی حکومت

اسلامی خلافت کے اواخر میں، خلافت عثمانیہ کی بنیاد رکھی گئی اس حکومت نے عرصہ دراز تک اسلامی سرزمین کے ایک بڑے حصے پر حکمرانی کی ہے یہ حکومت بھی مذاہب اربعہ اہل سنت کے حق میں متعصب تھی اور شیعوں کے خلاف عداوت وخصومت کا مظاہرہ کرتی تھی یہاں تک کہ اس حکومت نے کچھ علماء سے دستخط لئے کہ شیعہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کا قتل واجب ہے ۔لہذا سلطان سلیم نے آناتول میں چالیس ہزار افراد کو فقط شیعہ ہونے کے جرم میں قتل کرڈالا اسی طرح ''حلب'' میں شیخ نوح حنفی نے شیعوں کے کفر اور وجوب قتل کے بارے میں فتویٰ دیا جس کی وجہ سے ہزاروں شیعوں کو قتل کیا گیا جو باقی بچ گئے انھوں نے فرار کر کے اپنی جان بچائی یہاں تک کہ حلب میں ایک شیعہ بھی باقی نہیں بچا عثمانیوں نے شیعوں کو حکومتی اداروں سے نکال باہر کیا اور وہ انھیں اپنے مذہبی و دینی رسوم وفرائض انجام دینے سے روکتے تھے اور شام کے شہروں میں کہ جہاں

---

(۱۵) تاریخ الشیعہ ،ص ۱۹۲،۱۹۴۔

شیعہ اقلیت میں تھے ان کے دینی اعمال کی انجام دہی پر پابندی لگا دی گئی تھی اور یہ افسوسناک واقعات چار صدیوں (۱۱۹۸۔۱۵۱۶عیسوی) تک جاری رہے۔(۱۶)

شیعوں پر محبت اہل بیت اطہارؑ کے جرم میں ظلم وستم کی ایک طولانی تاریخ ہے جس کے بارے میں کئی کتابیں لکھی گئی ہیں یہاں ہم نے اختصار کے ساتھ ظلم وستم کی اس طولانی داستان کی فقط ایک جھلک دکھائی ہے تا کہ تقیہ جیسے خالص دینی وقرآنی مفہوم کے اہل تشیع سے مختص ہو جانے کے علل واسباب کی وضاحت کی جا سکے اور یہ بھی بتایا جا سکے کہ شیعوں نے بعض ادوار تاریخ میں تقیہ جیسی شرعی رخصت سے کیوں استفادہ کیا ہے؟ اور وہ کیا عوامل واسباب تھے کہ جن کی وجہ سے دوسرے تمام اسلامی مذاہب کی نسبت، شیعوں نے تقیہ کو زیادہ اہمیت دی ہے! ان سوالات کا جواب یہی اہل تشیع کی خونچکاں تاریخ ہے اور شیعہ مخالف قوتوں کا وہ ظالمانہ اور متعصّبانہ رویہ ہے کہ جس نے شیعوں کے لئے تقیہ اختیار کرنے کی راہ ہموار کی ہے اگر یہی حالات دوسرے اسلامی مذاہب کو بھی پیش آتے تو وہ بھی یہی راستہ اپناتے جیسا کہ بعض تاریخی ادوار میں بعضی اہل سنت فقہاء اور علماء کے حکمرانوں کے مقابلے میں تقیہ اختیار کرنے کے شواہد ملتے ہیں لیکن شیعہ مذہب کے برعکس اہل سنت کو ہمیشہ حکمران طبقہ کی سرپرستی حاصل رہی ہے حتیٰ کہ پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے فوراً بعد آنے والے مسلمان حکمرانوں نے ہی مذہب اہل سنت کے بنیادی اصول وضع کیئے اور آخر تک اس مذہب کی اپنی طاقت وقدرت کے سرچشمہ سے آبیاری کی ہے۔ جس کی وجہ سے شاذ ونادر ہی اہل سنت کے مذہبی راہنماؤں اور حکمرانوں میں اختلاف پیدا ہوا ہے اگر کہیں سیاسی وجوہات کی بناء پر بعض اہل سنت فقہاء اور مسلمان حکمرانوں کے درمیان نزاع پیدا ہوا بھی تو وہ شخصی نزاع کی حیثیت رکھتا ہے ورنہ بحیثیت

---

(۱۶) الشیعہ والحاکمون، ص ۱۹۴، ۹۷

ایک مذہب، تمام مسلمان حکمرانوں کو مذہب اہل سنت کی حمایت اور پیروی ہی میں اپنی مصلحت نظر آتی تھی چونکہ مذہب اہل سنت کے سیاسی مبانی اور اصول کسی بھی خلافت اسلامی کے مدعی حکمران کے لئے اس قدر خطرناک ثابت نہیں ہوسکتے تھے جتنے مذہب اہل بیت اطہارؑ کے سیاسی مبانی واصول کی اشاعت انھیں خطرے سے دوچار کرسکتی تھی۔ لہذا اسی خطرے سے بچنے کے لئے ہر دور میں حکمران طبقہ نے مذہب اہل بیتؑ کو سخت ترین فشار کے تحت زندگی گذارنے پر مجبور کیا اور ضرورت پڑنے پر شیعہ عوام وخواص کے خون سے ہولی کھیلی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس قدر شیعہ علماء وفقہاء کا خون بہایا گیا ہے اسقدر کسی دوسرے اسلامی مذہب کے علماء وفقہاء کا خون نہیں بہایا گیا تاریخی اعداد وشمار کو دیکھا جائے تو مقتول وشہید علماء کی فہرست میں سب سے زیادہ نام شیعہ علماء کے نظر آئیں گے۔

پس اگر شیعہ اس قدر قربانیاں دینے کے باوجود اپنی اعتقادی وسیاسی زندگی کی حفاظت کے لئے تقیہ جیسی شرعی رخصت سے استفادہ نہ کرتے تو آج روئے زمین پر اہل بیت اطہارؑ کے مذہب کا نام ونشان تک نہ ہوتا۔ معاویہ، ابن زیاد، حجاج، منصور عباسی، متوکل عباسی اور دوسرے جابر حکمرانوں کے مقابلے میں شیعوں کے پاس واحد شرعی وعقلی راستہ تقیہ تھا کہ جس پر عمل پیرا ہوکر وہ اپنی سیاسی ،اجتماعی زندگی کو محفوظ رکھ سکتے تھے لہذا شیعوں پر تقیہ اختیار کرنے کی وجہ سے لعن طعن کرنے والے افراد کو چاہیئے کہ وہ ان لوگوں پر لعن وطعن کریں جنہوں نے شیعوں کے لئے تقیہ کا راستہ ہموار کیا ہے ۔وہ لوگ قابل مذمت ہیں کہ جنہوں نے ذریت رسولؐ کے پیروکاروں پر زندگی حرام کررکھی تھی نہ کہ شیعہ کہ جو اہل بیت رسولؐ کی پیروی میں اپنا عقلی وشرعی حق استعمال کرتے ہوئے اسلام ناب محمدیؐ کی حفاظت کی خاطر تقیہ اور اہل بیت اطہارؑ کے دینی وثقافتی ورثہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

آٹھویں فصل :

تقیہ سے منفی اور مثبت استفادہ

شارع مقدس نے تمام شرعی احکام، مکلفین کی زندگی کے گوناں گوں پہلوؤں اور حیثیات کو مدنظر رکھ کر وضع کیئے ہیں اور ان کے وضع کرنے میں زمان ومکان اور انسان کی مختلف حیثیات مخصوصاً فطری تقاضوں کو مدنظر رکھا گیا ہے اور اس لحاظ سے تمام شرعی احکام اور دستورات حدود الٰہی شمار ہوتی ہیں جن کی رعائت کرنا ہر مکلّف کا شرعی فریضہ ہے لہذا کسی بھی ایماندار اور باضمیر انسان کو ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے تا کہ وہ اپنی اجتماعی وانفرادی زندگی میں دنیوی واخروی سعادت حاصل کر سکے۔

خداوند متعال نے یہ قوانین اور احکام انسانیت کی بھلائی کے لئے وضع فرمائے ہیں اور ان میں سب کے لئے بھلائی کا پہلو رکھا ہے۔ لیکن اپنی کج فہمی اور خودغرضی کی وجہ سے بعض لوگ انہی نیک ومثبت پہلوؤں کو منفی پہلوؤں میں تبدیل کر لیتے ہیں اور ان قوانین کے اغراض ومقاصد کو نظر انداز کر کے انھیں اپنے شخصی مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ کام اکثر وہ لوگ کرتے ہیں جو مبداو معاد پر قلبی اعتقاد نہیں رکھتے اور اپنی مفاد پرست طبیعت کی بنا پر احکام شریعت کو بھی اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنے کی سعی کرتے ہیں اور ان کی اپنی من پسند تشریح کرتے ہیں اس سلسلے میں بہانہ جو، سست، کاہل اور کمزور ایمان طبائع، نئی سے نئی جدت دکھاتی ہیں اور احکام الٰہی میں عبودیت اور تعبد کے پہلو کو بالکل فراموش کر کے کہ جو شرعی دستورات کی روح ہے ان احکام کو کھیل تماشا بنا دیتی ہیں۔ یعنی جب چاہا ان احکام اور دستورات پر عمل شروع کر دیا اور جب چاہا ان

سے بے اعتنا ہو گئے یا انھیں اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے الفاظ میں شریعت کے آسان اور من پسند پہلوؤں کو اپنا لیا جاتا ہے اور مشکل وسخت پہلوؤں سے روگردانی کی جاتی ہے اس قسم کی مفاد پرست وبہانہ جو طبیعتیں ہر دور میں موجود رہی ہیں حتیٰ انبیاؑ ،اولیا اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے زمانے میں بھی ایسے بے شمار لوگ موجود تھے جو ان الٰہی نمائندوں کے ہر حکم کی من پسند توجیہہ کرتے تھے اور ان کی سیرت کے آسان پہلوؤں کو بہت جلد اپنا لیتے تھے لیکن مشکل وسخت مواقع پر بے اعتنائی دکھانے لگتے تھے تاریخ اسلام ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

ان سست وکاہل اور خود غرض عناصر کی مفاد پرستی کا شکار زیادہ تر وہ مسائل بنتے ہیں کہ جن میں خواہشات نفسانی کا پہلو زیادہ قوی ہوتا ہے اور اسی پہلو کو اعتدال پر لانے کے لئے شارع نے یہ قوانین وضع کیئے ہوتے ہیں اور معاشرے کو ان کے اِن منفی پہلوؤں سے بچانے کے لئے اس طرح کی حدود وشرائط مقرر کی جاتی ہیں مثلاً تعدد زوجات ،طلاق اور ازدواج موقت (متعہ) جیسے شرعی قوانین واحکام کہ جنہیں خداوند متعال نے انسانی نفسیات اور معاشرے کی بعض مصلحتوں اور جنسی غریزے کے طغیان کو مہار کرنے اور دوسرے گوناں گوں فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے وضع فرمایا ہے ان احکام کے فلسفے اور حکمت سے مکمل آگاہی حاصل کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ لیکن اتنا سب جانتے ہیں کہ یہ احکام فطری وجبلی ضروریات اور معاشرے کی دوسرے گوناں گوں تقاضوں کو مدنظر رکھ کر وضع کیئے گئے ہیں اور ان کا مثبت پہلو اپنی جگہ سب پر روشن ہے۔ لیکن بعض عیاش طبیعتیں ان احکام سے اپنے سفلی جذبات کی تسکین کا پہلو نکال لیتی ہیں کیونکہ ان میں شہوانی پہلو قوی ہوتا ہے جسے مہار کرنے کے لئے ہی یہ قوانین وضع ہوئے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس سے سوء استفادہ کرنے لگتے ہیں اور اپنی خواہشات کو قانونی و شرعی رنگ دے کر پورا کرنے کی کوشش کرتے

ہیں اوراس طرح معاشرے میں حرج پیدا ہوتا ہے اور کتنی ہی مظلوم عورتوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں۔ خداوند متعال نے یہ احکام انسان کی بھلائی اور مصلحت کی خاطر وضع فرمائے ہیں لیکن بے تقویٰ افراد ان سے بھی غلط فائدہ اٹھانا شروع کر دیتے ہیں لہذا اس میں خود ان احکام کا یا شارع مقدس کا تو کوئی قصور نہیں بلکہ یہ مفاد پرست اور بے تقویٰ لوگ ہیں کہ جو ان احکام سے غلط فائدہ اٹھا کر انھیں نفرت انگیز بنا دیتے ہیں اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن سے سوء استفادہ کا پہلو نکل سکتا ہے۔

تقیہ سے سوء استفادہ

انہی میں سے ایک حکم، تقیہ بھی ہے کہ جو بعض حالات میں بہانہ جو، سست و کاہل طبیعت کے حامل افراد کے لئے شرعی و اجتماعی ذمہ داریوں سے فرار کا وسیلہ بن سکتا ہے یہ لوگ تقیہ کے مجاری اور موارد کو نظر انداز کر کے ہر جگہ تقیہ کے حکم کو اپنے مفاد میں استعمال کرتے ہیں ایسے افراد ہر دور میں موجود ہوتے ہیں ہمیں تاریخ مسلمین میں ایسے بے شمار لوگ نظر آتے ہیں کہ جب بعض حساس موقعوں پر مذہب و دین کو قربانی کی ضرورت ہوتی تھی تو وہاں یہ افراد تقیہ کو بہانہ بنا کر اپنی ذمہ داری سے فرار کرتے تھے۔ صدر اسلام کا دور ہو یا سقیفہ سے لیکر قیام عاشورا تک کا زمانہ ہو، انقلاب اسلامی کا دور ہو یا موجودہ زمانہ کہ جب پوری دنیا پر عالمی شیطانی اور سامراجی طاقتیں، اپنا ناجائز تسلط برقرار رکھ کے ہر قسم کی انسانی اقدار کو پائمال کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ خصوصاً دین اسلام ان کے شیطانی حملوں کا شکار ہے ایسے حالات میں سب مسلمانوں پر دین اور انسانی قدروں کا دفاع ضروری ہے ایسے موقع پر سب مسلمانوں اور مومنین پر نہ سہی لیکن بعض برجستہ دینی و اجتماعی شخصیات پر خاموشی اور سکوت مطلقاً حرام ہو جاتا ہے کیونکہ فقہائے اسلام کے مطابق جب ارکان دین اور ضروریات

دین ومذہب کے انعدام یا محترم جانوں کے خون کا مسئلہ ہوتو وہاں تقیہ حرام ہے چنانچہ اس سلسلے میں امام خمینی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''تمہارا قیام خدا کے لئے ہونا چاہیئے جب انسان دین خدا کو خطرے میں دیکھے تو اسے خدا کے لئے قیام کرنا چاہیئے جب احکام اسلام خطرے میں ہوں تو ہمیں خدا کے لئے قیام کرنا چاہیئے خواہ اس سے وہ کوئی کام کر سکے یا نہ کر سکے، اس نے اپنے فریضہ پر عمل کیا ہے۔ کبھی کبھار تقیہ حرام ہو جاتا ہے۔ جب انسان دیکھے کہ دین خدا خطرے میں ہے تو اس وقت وہ تقیہ نہیں کر سکتا، اس وقت جو بھی ہو جائے اسے جانا چاہیئے اور قیام کرنا چاہیئے۔ تقیہ فروعات میں سے ہے نہ کہ اصول میں سے۔ تقیہ دین کی حفاظت کے لئے ہے جب دین ہی خطرے میں ہو تو یہ سکوت اور تقیہ کا مقام نہیں ہوتا۔'' (۱)

ایک دوسری جگہ بے موقع تقیہ کرنے کی مذمت کرتے ہوئے امام خمینی فرماتے ہیں:

''میں ایک بار پھر تاکید کرتا ہوں کہ آج دنیا، اسلام کے نورانی احکام اور حقائق کی تشنہ ہے۔ تمام علمائے دین پر خدا کی طرف سے اتمام حجت ہو چکی ہے۔ کیونکہ جب سے اسلامی ممالک کے جوان اپنے دینی مقدسات کے دفاع کے لئے شہادت کی حد تک آگے جا چکے ہیں اور مستجاوزین کو نکالنے کے لئے اپنے آپ کو حوادث و مصائب کے سمندر میں پھینک چکے ہیں اور زندانوں اور وہاں کی اذیتوں و سختیوں کو اپنی جان پر تحمل کر رہے ہیں جس طرح حزب اللہ لبنان کے مبارز و شجاع جوان اور دوسرے ممالک کے جوان مقاومت کر رہے ہیں اور مستجاوزوں کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو اس سے بڑی کون سی حجت باقی رہ جاتی ہے اور بے جا سکوت اختیار کرنے اور سازش کرنے کے لئے گھروں میں بیٹھنے اور تقیہ کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے؟'' (۲)

---

(۱) صحیفہ امام، ج ۸، ص ۱۱۔ (۲) ایضاً، ج ۲۰، ص ۳۳۸۔

وہ بھی اُن شخصیات پر جو معاشرے میں دینی عنوان سے پہچانی جاتی ہیں کیونکہ ان کے تقیہ کرنے سے دوسرے عام مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لہذا بعض حالات میں تقیہ کہ جو دین اور خون مسلم کی حفاظت کا وسیلہ ہے وہی دین کی تخریب اور خون مسلم کی ارزانی کا باعث بن جاتا ہے لہذا ایسے حالات میں تقیہ کے مجاری اور موارد کی شناخت اور تشخیص ضروری ہے اور یہ عام لوگوں کا فریضہ نہیں بلکہ فقہاء، مراجع تقلید خصوصاً ولی امر مسلمین کا کام ہے کہ وہ ایسی نازک صورتحال میں لوگوں کی راہنمائی کریں اور عام مسلمانوں اور مومنین کا بھی فریضہ ہے کہ وہ تقیہ کرنے یا نہ کرنے میں اپنے دینی رہبر اور راہنما کی تشخیص کے مطابق عمل کریں نہ کہ ہر شخص جہاں اپنی غرض اور مفاد دیکھے وہاں تقیہ کرنا شروع کردے خصوصاً اُمت اسلام سے متعلق اجتماعی وسیاسی مسائل میں ہمیں تقیہ کے احکام کی دقیق شناخت ہونی چاہیئے۔ البتہ انفرادی مسائل کی حیثیت کچھ اور ہے لیکن وہاں بھی تقیہ کے وجوب وحرمت کی شناخت ضروری ہے۔

افسوس ہے کہ ایسے حالات میں بھی عافیت طلبی اور مفاد پرستی سر اُٹھانے لگتی ہے اور ہزار مصلحتیں اور توجیہات سامنے آجاتی ہیں اور مراجع تقلید اور ولی فقیہ تو کیا امام معصومؑ کو بھی تقیہ کے بھانے تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہمارے اس بیان پر، سقیفہ کے بعد کے حالات خصوصاً جنگ جمل ،صفین نہروان اور عاشورا کی تاریخ شاھد ہے کہ کس طرح برجستہ ترین شخصیات نے تقیہ اور دوسری مصلحتوں کے بہانے امام وقتؑ کو تنہا چھوڑ دیا تھا۔

اس لحاظ سے تقیہ اپنی افادیت کھوکر ایک منفی حیثیت اختیار کرلیتا ہے۔ تقیہ کے بارے میں یہ طرز تفکر مسلمانوں کے زوال اور انحطاط میں وہی حیثیت رکھتا کہ جو قضاوقدر، زہد وتقویٰ، شفاعت اور انتظار جیسے دینی مفاہیم رکھتے ہیں۔ چونکہ ان دینی اور قرآنی مفاہیم کی تشریح لوگ اپنے مقاصد

واغراض کے مطابق کر کے ان سے غلط فائدہ اٹھانے لگتے ہیں وہ ان کے حقیقی مفاہیم کو یا تو سمجھتے نہیں یا سمجھنے کے باوجود ان سے اپنی خواہشات کے مطابق استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔

مسلمانوں کے انحطاط اور زوال میں ان مفاہیم کی غلط تشریح اور ان کے بارے میں عامیانہ اعتقاد کا بہت زیادہ کردار ہے (۳) پھر نام نہاد خلفاء اور مذہبی پیشواؤں نے بھی ان مفاہیم کے بارے میں عوام الناس کی فکری پستی و کج فہمی سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مفاہیم کی غلط تشریح کو رواج دیا ہے اس سلسلے میں اُموی حکمرانوں کی مثال بہت واضح ہے کہ جنہوں نے عقیدہ جبر کو عام مسلمانوں میں رواج دینے کی سعی کی ہے تا کہ لوگ ان کی حکمرانی کو خدا کی مرضی سمجھ کر آسانی سے قبول کرلیں اور یہ عوام پر جس قدر ظلم کرنا چاہیں کر سکیں اسی طرح بنی عباس نے بہت سے دینی مفاہیم کی من پسند تشریح کر کے ان سے اپنا سیاسی مفاد حاصل کیا ہے۔

انقلاب اسلامی ایران سے پہلے شاہ ایران کی حکومت کو بچانے کے لئے بعض اسی قسم کے منحرف افراد انتظار اور تقیہ کے مفاہیم کی غلط تشریح کر کے لوگوں کو شاہ کے خلاف جدوجہد سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ آج تقیہ کا وقت ہے۔ ہمیں تقیہ کرنا چاہیئے اور طاغوتی حکومت کے خلاف کسی قسم کا قدم نہیں اٹھانا چاہیے یا بعض منحرف گروہ امام مہدی عج کے انتظار کا فلسفہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں امام زمان عج کا انتظار کرنا چاہیے وہی آ کر اس ظلم وستم اور برائی کو ختم کریں گے ہم یہ ظلم وستم ختم کرنے کا حق نہیں رکھتے یہ امام معصومؑ کا کام ہے ہمیں فقط انتظار کرنا چاہیئے بلکہ اس ظلم وستم اور گناہوں میں اضافہ کرنا چاہیئے تا کہ دنیا جلد از جلد ظلم وجور سے بھر جائے اور امام زمانہ عج ظہور

---

(۳) علل پیشرفت اسلام وانحطاط مسلمین، ص ۳۰۲، ۳۰۴۔

فرمائیں!! لیکن امام خمینی علیہ الرحمہ نے ان مفاہیم کی حقیقی تشریح اور معنیٰ بیان کرکے لوگوں کو ظلم و ستم اور طاغوت کے خلاف قیام پر اُبھارا اور جب یہ مفاہیم اپنے صحیح معانی کے ساتھ ایرانی عوام کے اذہان میں بیٹھ گئے تو ظلم و ستم اور طاغوتی حکومت کے خلاف مبارزہ آسان ہوگیا اور ایک اسلامی حکومت وجود میں آگئی۔

پس معلوم ہوا کہ ان مفاہیم کی غلط تشریح مسلمانوں کے انحطاط اور زوال میں کس قدر اہم کردار ادا کرتی ہے اور اگر یہ مفاہیم اپنے درست معانی کے ساتھ عوام تک پہنچائے جائیں تو ظلم و ستم کے خاتمے اور مسلمانوں کی دنیوی و معنوی سعادت کا باعث بن سکتے ہیں تقیہ جیسا مفہوم بھی جب غلط معنیٰ اختیار کرتا ہے تو مسلمانوں کے انحطاط اور اسلامی معاشرے کی تخریب اور زوال کا موجب بنتا ہے اور اگر اپنے صحیح معانی کے ساتھ تقیہ پر عمل کیا جائے تو یہی تقیہ دنیا بھر کی ظالم طاقتوں کے خلاف ایٹم بم سے زیادہ مؤثر ہتھیار ثابت ہوسکتا ہے لیکن یہ اس وقت ہے کہ جب کوئی تقیہ کا حقیقی معنیٰ و مفہوم جان لے اور عقل و فکر اور تقویٰ الٰہی کی روشنی میں اس پر عمل کرے کیونکہ تمام شرعی دستورات اور احکام سے اسی وقت انسان صحیح معنوں میں بہرہ مند ہوسکتا ہے کہ جب وہ عقل اور تقویٰ کی روشنی میں ان دستورات پر عمل کرے عبادات سے لے کر معاملات اور اجتماعیات سب میں ثواب و عتاب کا معیار عقل اور خوف خدا ہے ایک روایت کے مطابق رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ:

﴿اذا بَلَغَكُمْ عَنْ رَجُلٍ حُسْنُ حَالٍ، فَانْظُرُوْا فی حُسْنِ عَقْلِه فَاِنَّمَايُجازیٰ بِعَقْلِهِ﴾ (۴)

---

(۴) کافی، ج ۱، ص ۱۲، میزان الحکمۃ، ج ۶، ص ۳۹۹۔

یعنی: جب کسی مرد کی اچھی حالت (اور حسن عمل) کی خبر تم تک پہنچے تو اسی پر قانع نہ ہو جاؤ بلکہ اس کی عقل اور فہم کو دیکھو کیونکہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا اسکی عقل کے مطابق دی جاتی ہے۔

یہ عقل ہے کہ جس سے انسان ہر کام کو بہتر انداز میں انجام دے سکتا ہے بہت سے بہترین کام جب بے عقل افراد کے ذریعے انجام پاتے ہیں تو وہ اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں ایک عاقل معمولی سے کام کو بھی اپنی عقل کے ذریعے پُر اہمیت بنا دیتا ہے اور ایک بے عقل انسان بہترین سے بہترین عمل کو بھی اپنی بے عقلی کے ذریعے خراب کر دیتا ہے عاقل کی عبادت ہو یا کوئی دوسرا فعل، لوگوں کی نظر میں بھی قدر و منزلت رکھتا ہے اور خدا کی نظر میں بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عاقل انسان کوئی بھی فعل بیہودہ انجام نہیں دیتا بلکہ اس کے ہر قدم میں کوئی نہ کوئی مصلحت مدنظر ہوتی ہے اسی طرح جب کوئی فعل قرب خدا کی خاطر اور خوف الٰہی کی وجہ سے انجام پاتا ہے تو اس کی اہمیت، بے تقویٰ انسان کے فعل سے کئی درجے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ بے تقویٰ انسان دنیوی مقاصد اور خواہشات کی خاطر ہر فعل انجام دیتا ہے اور اس کے کام کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

تقیہ سے حُسن استفادہ

تقیہ سے بھی اگر عاقلانہ استفادہ کیا جائے تو بہت سی انفرادی و اجتماعی مشکلات حل ہو سکتی ہیں لیکن بعض لوگ تقیہ کا دائرہ انتہائی تنگ کر دیتے ہیں یا تعصب کی وجہ سے بالکل اس کا انکار کر کے اس فطری و عقلی مسئلہ کے اجتماعی فوائد سے محروم رہتے ہیں حالانکہ تقیہ ایک ایسا دینی و عقلی مفہوم ہے کہ جس کا دائرہ زندگی کے بہت سے شعبوں تک پھیلا ہوا ہے اور عملاً ہر شخص زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں تقیہ سے کام لیتا ہے یہ الگ بات ہے کہ وہ اسے تقیہ نہیں کہتا بلکہ اسے مدارا یا کوئی دوسرا نام دے دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری روزمرہ زندگی تقیہ کے بغیر گذر ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ انسانی نفسیات کے

گوناں گوں پہلو ہیں، جتنے چہرے خدانے بنائے ہیں اتنی ہی طبیعتیں بھی بنائی ہیں کچھ لوگ کم فہم، کم حوصلہ اور بے شعور ہوتے ہیں بہت سی دقیق باتیں اور مسائل سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں اور پھر معاندانہ طبیعت کی وجہ سے ہر اس چیز کا انکار کر دیتے ہیں جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے۔ عوام کی اکثریت ایسی ہی ہوتی ہے، عوام کی مثال بچوں جیسی ہے جن سے بہت سی باتیں پنہان رکھنی پڑتی ہیں جب تک کہ وہ شعور کی عمر کو نہیں پہنچ جاتے کیونکہ انھیں بہت سی باتوں سے آگاہ کرنا مضر ہوتا ہے ان میں استعداد نہیں ہوتی کہ زندگی کے بعض حقائق کو تحمل کر سکیں یا ان کا ادراک کر سکیں۔ یہی حالت عوام الناس کی ہوتی ہے عوام اپنے عامیانہ طرز تفکر کی وجہ سے بہت سے عامیانہ عقائد ونظریات اپنا لیتے ہیں خواہ یہ عقائد ونظریات مذہب سے متعلق ہوں یا کائنات وعالمِ طبیعت سے متعلق ہوں جب کسی چیز کے بارے میں عوام کا عقیدہ پکا ہو جائے تو اس کے بارے میں حقائق بیان کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے اور عوام کے ان کاذب نظریات وعقائد کو ختم کرنے کے لئے بہت سے مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر سچی وحقیقی بات کھل کر ان کے سامنے بیان نہیں کی جا سکتی اس لئے زندگی کے ہر شعبے میں پنہان کاری ضروری ہو جاتی ہے۔

علمائے دین ہوں یا علمائے طبیعت، سیاستدان وحکمران ہوں یا اطباء وحکماء سب ہی ہر بات، ہر ایک کو نہیں بتاتے۔ بہت سے حکومتی وسیاسی راز ہوتے ہیں جو حکمرانوں کو عوام سے پنہان رکھنے پڑتے ہیں بہت سے دینی وعلمی دقائق ومسائل ہوتے ہیں کہ جن کو عوام کے سامنے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا سوائے ان کے اذہان کو مشوش کرنے کے۔ اسی لئے فہم وفراست کے حامل علمائے دین ایسے مسائل کو عوام کے درمیان بیان نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات لوگوں سے پنہان رکھتے ہیں تا کہ وہ عوامی تعصب سے محفوظ رہ سکیں۔ اگر وہ عوامی شعور سے بلند کوئی مسئلہ چھیڑ دیں

توانھیں سخت ترین مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔اسی طرح والدین اپنے بچوں سے بہت سے مسائل پنہان رکھتے ہیں یا انھیں بتانا ضروری نہیں سمجھتے حتیٰ شوہر بیوی سے بہت سی باتیں پنہان رکھتا ہے تا کہ وہ زندگی کی مشکلات سے گھبرا نہ جائے کہ جو اس کے شوہر کو معاشرے میں پیش آتی ہیں ۔اسی طرح انسان اپنی عام معاشرتی زندگی میں بہت سے لوگوں سے متنفر ہوتا ہے خواہ یہ تنفر ان کی بری خصلتوں کی وجہ سے ہوتا ہے یا خود متنفر انسان کے نفسیاتی مسائل اسے دوسروں سے متنفر بنا دیتے ہیں جیسا بھی ہو ہر انسان ، ہر انسان کو پسند نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود اجتماعی آداب اور بقائے امنیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس تنفر اور بیزاری کا اظہار نہ کرے چونکہ اگر وہ اس کا اظہار کرنا شروع کردے تو معاشرے میں اسکا زندگی گذارنا مشکل ہو جائے اور وہ ہر وقت کسی نہ کسی سے جنگ وجدال کی حالت میں ہو۔لہذا نفسیاتی سکون وآرام کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے دل کی کیفیت کو بلاضرورت کسی پر ظاہر نہ کرے۔ یہ پنہان کاری بھی معاشرتی آداب میں سے ہے اور ہم اسے نفاق کا نام نہیں دے سکتے۔ کیونکہ اس میں کسی کے ضرر کا ارادہ نہیں ہوتا بلکہ بقائے امنیت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی قلبی کیفیت کو دوسروں سے چھپائے۔ کیونکہ ہر ایک سے موافقت ومحبت رکھنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

اسی طرح عسکری آداب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عسکری رازوں کو پنہاں رکھا جائے نہ فقط دشمن سے جو کہ انتہائی ضروری ہے بلکہ اپنوں سے بھی یہ راز پنہان رکھنے ضروری ہوتے ہیں۔ دنیا بھر کی سیاسی وعسکری طاقتیں اسی پنہان کاری کے اصول پر کاربند رہ کر ہی سیاسی وعسکری طاقتیں بنی ہیں۔ اگر یہ پنہان کاری یا عسکری وسیاسی تقیہ ناجائز ہوتا تو دنیا بھر میں سیاسی وعسکری حرج ومرج پیدا ہو جاتا اور کوئی بھی حکومت برقرار نہ رہتی ۔اس اصول سے آج دنیا کی سب ہی بڑی سیاسی

وعسکری طاقتیں استفادہ کررہی ہیں خصوصاً دشمنان اسلام لیکن مسلمان، اپنے اسرار اور رازوں کوفاش کرنے کی وجہ سے بیشمار مشکلات کاشکار ہیں اس قسم کی پنہان کاری کے بارے میں ہماری اسلامی سیاسی فقہ میں بہت زیادہ تفصیل ذکر ہوئی ہے جس کا مطالعہ اہمیت کا حامل ہے۔

پس روزمرہ زندگی میں پنہان کاری ضروری ہوتی ہے اگر ہر بات سے ہرایک کوآگاہ کیا جائے تو زندگی گذارنی مشکل ہوجائے اور پھراس پنہان کاری میں کسی کا ضرر بھی نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے اوراس عقلی وفطری پنہان کاری کو ہی تقیہ کہتے ہیں یعنی حقیقت کو چھپانا اور بلاضرورت کسی پر حقائق ظاہر نہ کرنا خواہ یہ اپنی مصلحت کے لئے ہو یا دوسرے کی مصلحت کے لئے ہو یہ ایک عقلی وفطری فعل ہے۔کوئی بھی عاقل اس سے انکار نہیں کرتا۔اسلئے تقیہ کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے اورزندگی کے مختلف شعبوں میں تقیہ انتہائی مثبت کردارادا کرتا ہے لہذا تقیہ کو چند موارد تک محدود کرنا یا بالکل اس کا انکار کرنا درحقیقت زندگی کے حقائق سے انکار ہے البتہ ضروری ہے کہ تقیہ عاقلانہ ہو،خودغرضی ومفاد پرستی پر مبنی نہ ہو،خوف خدا اور تقویٰ الٰہی کے تحت ہو چونکہ اگر تقیہ عقل وخوف الٰہی کی بنیاد پر نہ ہوتو پھر یہ تقیہ معاشرے کی تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بن سکتا ہے اور دینی عمارت کومحفوظ رکھنے کے بجائے اسے گرانے کا موجب بنتا ہے اس لئے تقیہ کے مثبت ومنفی پہلو کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اوراس الٰہی حکمت عملی سے اسی وقت صحیح استفادہ ہوسکتا ہے کہ جب اس کے مثبت پہلو کو مدنظر رکھ کراس پر عمل کیا جائے اوراسے منفی مقاصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فصل نہم:

شبہات واتہامات اوران کا جواب

بہت سے دوسرے دینی مفاہیم کی مانندتقیہ کے بارے میں بھی ہردورمیں سوالات اورشبہات پیداہوتے رہے ہیں۔ان سوالات وشبہات کے پیداہونے کے دوبنیادی سبب ہیں:اول یہ کہ دینی مفاہیم میں عدم دقت اوردین شناسی کے بارے میں سطحی طرزتفکر۔دوسرایہ کہ دشمنان دین اورخودغرض ومفاد پرست عناصر کی شبہ افکنی ۔اگران شبہات وسوالات پرغورکیا جائے تو فقط یہی دوسبب نظرآتے ہیں۔خصوصاً تقیہ کے بارے میں جہاں دشمنان اسلام بالخصوص مذہب اہل بیت اطہارؑ سے عنادوبغض رکھنے والے افرادداستہ طور پراس کے مثبت پہلوؤں کوچھوڑکرمنفی پہلوؤں کواجاگرکرکے اتہامات کی حدتک شبہات پیداکرتے ہیں وہاں بعض سادہ لوح یاسطحی فکررکھنے والے پیروان اہل بیت بھی سیرت معصومینؑ اوراپنے دینی ومذہبی مفاہیم اورمعتقدات سے آگاہ نہ ہونے یاان میں دقت نہ کرنے کے سبب ایسے شبہات سے متاثرنظرآتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے اذہان میں سوالات پیداہوتے ہیں۔

البتہ خواہ شبہات ہوں یاسوالات،ہمیں ان کے مثبت پہلوپرنظررکھنی چاہیئے اوروہ یہ کہ یہی شبہات وسوالات دین شناسی کا پہلازینہ ثابت ہوتے ہیں اس طرح جن افرادکے ذہن میں دینی مفاہیم کے بارے میں سوالات اٹھتے ہیں وہ قابل ستائش ہیں بشرطیکہ وہ ان سوالات کے صحیح جوابات تلاش کرنے کی سعی کریں۔اسی طرح دشمن بھی شبہات پیداکرکے ہمارے دین اوردیانت کونقصان پہنچانے کے بجائے نادانستہ طور پرفائدہ پہنچانے کاسبب بنتاہے لہذاہمیں ان شبہات

وسوالات کے مقابلے میں پریشان ہونے کے بجائے ان کا استقبال کرنا چاہیئے اور خداوند کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارے بے عقل دشمن کے ذریعے ہمارے دین کی تائید فرما رہا ہے۔

مخالفین کے شبہات اور ان کا جواب

تقیہ کے بارے میں شبہات وسوالات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کرتے ہیں:

اول: ان معاندین اور دشمنوں کے شبہات کو پیش کیا جاتا ہے کہ جو مذھب اہل بیتؑ کے ہر مثبت پہلو کو منفی انداز میں پیش کر کے بنی نوع انسان کو اہل بیت اطہارؑ کی پیروی سے منحرف کرنا چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تقیہ کے بارے میں تمام دینی نصوص بشمول قرآن وسنت کے انکار کے علاوہ عقلی استدلال کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کا مقصد فقط تقیہ کو بغیر کسی عقلی ونقلی دلیل کے غیر شرعی فعل ثابت کرنا ہے۔ عقل ومنطق سے عاری ان خودغرض معاندین کو جواب دینا خود بے عقلی کی دلیل ہے ان شبہات کے سلسلے میں ہمارے مخاطب وہ لوگ ہیں جو ان اتہامات وشبہات سے متاثر ہوتے ہیں اور مغالطات کے اس ہجوم میں حق وباطل کی تشخیص نہیں کر سکتے لہذا ہمارا مقصد ان شبہات کی مدد سے تقیہ جیسے عقلی وفطری اور شرعی مسئلے کی وضاحت کرنا ہے نہ کہ مجادلہ ومناظرہ۔ اور ان ناعاقبت اندیش معاندین نے اپنی نافہمی کی وجہ سے دین شناسی کے لیے جو میدان فراہم کیا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی سعی کرنی ہے تقیہ کے حوالے سے ان لوگوں کے دو بڑے شبہات ہیں جن کے ذیل میں وہ تقیہ کے معتقدین پر دوسرے اعتراضات کرتے ہیں یا اتہامات لگاتے ہیں۔ وہ دو بڑے شبہات یہ ہیں:

۱۔ تقیہ، نفاق ہے!

۲۔ تقیہ، جھوٹ اور دروغ گوئی ہے!

ان دونوں شبہات کا جواب بالترتیب اس طرح ہے۔

ا۔تقیہ اور نفاق

پہلی فصل میں تقیہ کی جو تعریف اور اصطلاحی معنی بیان کیا گیا ہے اس سے تقیہ اور نفاق میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔اگر کوئی تقیہ کی تعریف اور اصطلاحی مفہوم جانتا ہو تو وہ کبھی بھی اسے نفاق نہیں کہے گا۔یہ تعریف نہ فقط شیعہ علماء نے کی ہے بلکہ اہل سنت علماء سے نقل ہونے والے تعریفوں سے بھی تقیہ اور نفاق کا فرق، روشن ہو جاتا ہے کیونکہ تقیہ کی تمام تعریفوں کے مطابق: ''عقیدہ حقہ کو پوشیدہ رکھ کر، باطل کا اظہار کرنا ''تقیہ'' کہلاتا ہے''۔جبکہ نفاق میں عقیدہ باطل کو پوشیدہ رکھ کر، عقیدہ حقہ کا اظہار کیا جاتا ہے۔یہ بالکل تقیہ کے برعکس ہے، لہذا تمام علماء نے تقیہ کا اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے اس بات کی شرط رکھی ہے اور کہا ہے: ﴿**فان کان مایبطنه باطلاً کان ذلک نفاقاً**﴾ یعنی اگر پوشیدہ عقیدہ باطل ہو تو یہ (تقیہ نہیں)، نفاق ہو گا۔

بنابرایں تقیہ اور نفاق میں فرق واضح ہے۔منافق، حق و نیکی اور اچھائی کا تظاہر کرتا ہے اور باطل اور برائی کو مخفی رکھتا ہے تا کہ اہل حق کو ضرر پہنچا سکے، لیکن متقی (تقیہ کنندہ) باطل کا تظاہر کرتا ہے اور حق و حقیقت اور اچھائی کو اپنے اندر مخفی رکھتا ہے تا کہ اس طرح شر اور ضرر سے محفوظ رہ سکے۔منافق، آستین کے سانپ کی مانند ہے کہ جو چہرے پر حق کا خول چڑھا کر موقع کی تلاش میں رہتا ہے تا کہ اہل حق کو نقصان پہنچائے اسی لیے کہا جاتا ہے: منافق کا خطرہ، کفار کے خطرے سے کہیں زیادہ ہے۔لیکن تقیہ کرنے والا مومن ایسے ہوشیار و محتاط مجاہد کی مانند ہے کہ جو ضرر اور مفسدہ کو دور کرتا ہے اور لوگوں کی اصلاح اور حق کی ترویج کے لیے عقلی و فطری طریقوں سے استفادہ کرتا ہے۔

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ تقیہ اور نفاق، دو متضاد مفہوم ہیں اور ان دونوں کو ایک کہنا یا تو جہالت ہے یا خود غرضی و مفاد پرستی۔ یہ لوگ اگر قرآن وسنت سے آگاہ ہوتے تو ہرگز ایسی جاہلانہ باتیں نہ کرتے چونکہ قرآن نے منافق کے لیے عذاب عظیم کی وعید سنائی ہے:

﴿إن المنافقين فی الدرک الاسفل من النار﴾(۱)

یعنی یقیناً منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

جبکہ یہی قرآن، تقیہ کی طرف تشویق کرتے ہوئے حالت خوف واکراہ میں تقیہ کرنے کی اجازت اور رخصت دے رہا ہے جیسا کہ آیات تقیہ میں گزر چکا ہے کہ:

﴿إلا ان تتقوا منهم تقاةً﴾ یا ﴿إلا من اکره وقلبه مطمئن بالإيمان﴾

اور پھر سنت رسولؐ یہ ہے کہ تقیہ کرنے والے عمار یاسرؓ کے آنسو صاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں، اگر دوبارہ ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو یہی کام (تقیہ) دوبارہ کرنا۔

پس اگر تقیہ نفاق کی طرح مذموم ہوتا تو خداوند کفار کی دوستی کو تقیہ کے عنوان سے استثناء نہ کرتا اور تقیہ کی اجازت نہ دیتا اور اسی طرح رسول خدا (ص) عمارؓ کو دوبارہ یہی عمل تکرار کرنے کی نصیحت نہ فرماتے۔ اگر غور کیا جائے تو منافق اور متقی (تقیہ کنندہ) میں دو بنیادی فرق ہیں۔

ایک یہ کہ متقی (تقیہ کنندہ) شخص خداوند اور اس کی ارسال شدہ کتب ورسل پر ایمان رکھتا ہے اسی لیے کبھی وہ اپنی دینی ودینوی مصلحت، حق کو چھپانے اور باطل کا اظہار کرنے میں دیکھتا ہے جبکہ منافق نہ خداوند پر ایمان رکھتا ہے نہ اسکے رسولوں پر نہ ان کی کتب سماویہ پر، اس کے

---

(۱) سورہ نساء، آیت ۱۴۵۔

باوجود ایمان کا تظاہر کرتا ہے تا کہ مؤمنین کو دھوکہ دے سکے۔

دوسرا یہ کہ تقیہ کرنے والے شخص کا مقصد اپنی جان کو خطرے سے، اپنی عزت وآبرو کو ہتک وتوہین سے اور اپنے مال کو ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ اگر وہ اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کے سلسلے میں مطمئن ہوتا تو ہرگز تقیہ نہ کرتا اور نہ ہی دین اسے تقیہ کرنے کی اجازت دیتا جبکہ منافق ان مقدس مقاصد کی خاطر اپنے باطل کو چھپا کر حق کا تظاہر نہیں کرتا بلکہ اس کا مقصد اپنے نفاق کے ذریعے مسلمانوں کے اندر داخل ہو کر انھیں ضرر پہنچانا ہے نہ کہ ضرر سے بچنا ہے۔ جبکہ مؤمن تقیہ کے ذریعے فقط اپنا یا اپنے دین کا دفاع کرتا ہے۔

تقیہ کو نفاق کہنے والے فقط تقیہ اور نفاق کے بعض مشترکہ پہلوؤں پر نظر رکھتے ہیں اور ان کے فرق اور حدود پر غور نہیں کرتے ان کا کام فقط تقیہ اور نفاق کے مشترکہ پہلوؤں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہے اور اس طرح وہ سطحی اذہان رکھنے والے افراد کے لیے مغالطے ایجاد کر کے ان کی نظروں میں نفاق اور تقیہ کو ایک چیز بنا دیتے ہیں چونکہ تقیہ میں بھی باطن کے خلاف اظہار کیا جاتا ہے اور نفاق میں بھی اور تقیہ میں بھی اپنی اندرونی کیفیت کو چھپایا جاتا ہے اور نفاق میں بھی، لیکن ان مشترکات کے علاوہ ان دونوں میں کچھ فرق اور فصول بھی ہیں اور وہ یہ کہ تقیہ میں متعلق اخفاء ''حق'' ہے جبکہ نفاق میں متعلق اخفاء ''باطل'' ہے۔ اسی طرح تقیہ میں متعلق اظہار ''باطل'' ہے اور نفاق میں ''حق'' ہے۔ پس فصول اور ممیّزات کے لحاظ سے دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اسی طرح مقصد وغایت کے اعتبار سے بھی دونوں میں فرق واضح ہے۔

پس تقیہ کو نفاق کے مترادف قرار دینا یا تو تعلیمات اسلام سے بے اطلاع ہونے کی علامت ہے یا خود غرضی اور فتنہ وفساد پھیلانے کی نیت کا نتیجہ ہے۔

۲۔ کذب اور تقیہ

ابن تیمیہ جیسے بعض ناصبی اور متعصب اہل قلم بغیر کسی دلیل و منطق کے تقیہ کو کذب و دروغ گوئی کی دوسری شکل قرار دیتے ہوئے اہل تشیع کو لعنت و ملامت کرتے ہیں کہ شیعہ مذہب میں جھوٹ و کذب شرعی حیثیت رکھتا ہے اور آئمہ شیعہ اپنے پیروکاروں کو جھوٹ بولنے کی تشویق کرتے ہیں اور اس پر انھیں اجر و ثواب کا وعدہ بھی دیتے ہیں۔

یہاں بھی مغالطہ سے کام لیتے ہوئے ایک انتہائی سنگین اتہام شیعہ مسلمانوں اور مذہب اہل بیتؑ پر لگایا جاتا ہے۔ ان کے مغالطے کی ظاہری شکل یہ ہے کہ باطن کے خلاف زبان سے کسی چیز کا اظہار کرنا تقیہ ہے کہ جو کذب کی دوسری شکل ہے۔ اس اتہام اور شبہہ نما مغالطے کا جواب یہی ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ کے اصطلاحی مفہوم اور تعریف کو نظر انداز کرتے ہوئے فقط ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے تقیہ کو جھوٹ قرار دیا ہے اور نہ تقیہ کے اصطلاحی مفہوم پر غور کیا ہے اور نہ کذب کی تعریف کو دِقتِ نظر سے دیکھا ہے۔ تقیہ کے اصطلاحی مفہوم اور تعریف کو ہم نے گذشتہ صفحات میں فریقین کے علماء سے نقل کیا ہے جس میں کسی بھی عالم دین نے تقیہ کو کذب نہیں کہا بلکہ تقیہ کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے اسے ایک دینی اصطلاح کے طور پر پیش کیا ہے اور پھر اگر کذب کی تعریف پر غور کیا جائے تو تقیہ اور کذب میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ کذب کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے: ﴿**الکذب ضدالصدق وھوالاخبارعن الشئی لاعلی ماھوبہ**﴾(۲)

''کذب صدق کی ضد ہے اور وہ یہ کہ کسی شے کے بارے میں ایسی خبر دینا کہ جو اس شے کے مطابق نہ ہو''۔

---

(۲) التبیان، ج۱، ص۳۷۔

پس کسی چیز کے بارے میں خلاف واقع خبر دینا کذب اور جھوٹ ہے۔کذب کے دو رکن ہیں ایک خبر دینا،دوسرا اس خبر کا خلاف واقع ہونا۔جبکہ تقیہ کے تین رکن ہیں ایک حق کو چھپانا،دوسرا مخالفین حق کے ساتھ موافقت کا اظہار کرنا،تیسرا یہ کتمان اور تظاہر فقط ضرر و خطرے سے بچنے کے لیے کرنا نہ کسی اور غرض سے۔

پس اول کذب ،اخبار ہے جبکہ تقیہ مخالفین کے ساتھ موافقت کا اظہار و تظاہر ہے۔دوم کاذب،خبر دینے کی نیت سے کچھ کہتا ہے جبکہ متقی (تقیہ کنندہ) خبر دینے کا قصد نہیں رکھتا۔سوم کذب (جھوٹ) میں ضروری نہیں کہ کاذب کے باطن میں،حق ہو جبکہ تقیہ میں شرط ہے کہ تقیہ کنندہ کے دل میں جو کچھ مخفی ہو وہ حق ہو نہ کہ باطل۔

اس کے علاوہ غرض وغایت کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو کاذب اور متقی (تقیہ کنندہ) کی غرض وغایت میں فرق ہے۔کاذب اپنے کذب (جھوٹ) کے ذریعے دوسروں کو نقصان پہنچا کر خود ضرر و نقصان سے محفوظ رہنا چاہتا ہے جبکہ تقیہ کرنے والا فقط خطرات سے بچنے کی خاطر دفاع کے طور پر باطل کے ساتھ موافقت کا اظہار کرتا ہے اس کا مقصد کسی کو ضرر پہنچانا نہیں ہوتا بلکہ خود کو ضرر سے بچانا ہوتا ہے۔اسی طرح جھوٹا شخص جھوٹ کہنے میں کسی خاص مقصد کے تابع نہیں ہوتا بلکہ کبھی کبھار بلا مقصد اپنے نفس کی تسکین کی خاطر جھوٹ کہتا ہے چونکہ جب جھوٹ عادت بن جائے تو پھر اس کی کوئی حدود نہیں رہتیں جبکہ تقیہ کی حدود شرائط مقرر ہیں ۔تقیہ کبھی حرام ہے کبھی واجب،کبھی مکروہ ہے کبھی مستحب اور کبھی مباح۔جیسا کہ فقہی بحث میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔لیکن کذب کو کسی نے بھی واجب، مستحب،مکروہ یا مباح نہیں کہا،سب اسے حرام ہی کہتے ہیں۔

اسی طرح تقیہ اپنے اہداف ومقاصد کے لحاظ سے بھی کذب و دروغ گوئی کے ساتھ فرق

رکھتا ہے۔ کذب کا مقصد وہدف پست ہوتا ہے جبکہ تقیہ اعلیٰ ومقدس اہداف کی خاطر انجام پاتا ہے۔پس جولوگ تقیہ کی شرعی حدود وقیود اور اہداف سے آگاہ ہوتے ہیں وہ کبھی بھی کذب اور تقیہ کو ہم معنی قرار نہیں دیتے۔اس کے علاوہ اگر علمائے اہل سنت کسی اہم مقصد کے لیے کذب کو جائز قرار دے سکتے ہیں تو کیا تقیہ جیسی رخصت کو قبول نہیں کر سکتے کذب کو جائز قرار دینے سے تقیہ کو قبول کرنا تو زیادہ بہتر ہے، چونکہ تقیہ کی اصطلاح قرآنی ودینی مبانی پر استوار ہے جبکہ کذب قرآن کی نظر میں بھی مذموم ہے اور وجدان وعقل کے لحاظ سے بھی قابل مذمت ہے لیکن کیا کیا جائے اس تعصب کا کہ جس کی وجہ سے شیعوں سے مختص مفہوم کا اعتراف کرنا مشکل ہو جاتا ہے؟!

اس کے علاوہ شیعہ مذہب میں تقیہ کو کذب کے مترادف قرار دینے والے شیعہ کتابوں میں تقیہ کی مدح پر مبنی روایات کو تو دیکھتے ہیں لیکن انہی کتابوں میں جھوٹ کی مذمت میں نقل ہونے والی روایات ان کو نظر نہیں آتیں۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک مذہب جھوٹ کی مذمت میں ہزاروں روایات واحادیث اور احکام بیان کرتا ہو اور دوسری طرف ''تقیہ'' کے عنوان سے اپنے پیروکاروں کو جھوٹ پر عمل کرنے کی بھی تعلیم دیتا ہو!!اگر تقیہ، جھوٹ ہوتا تو جھوٹ کی مذمت میں روایات نقل کرنے کا کیا جواز تھا۔شیعہ کتب حدیث میں ''باب الکذب'' کے عنوان سے جھوٹ کی مذمت میں نقل ہونے والی چند روایات پیش کی جاتی ہیں تا کہ واضح ہو جائے کہ شیعہ امامیہ کے نزدیک جھوٹ کسی بھی صورت میں جائز نہیں اور آئمہ اطہارؑ نے جھوٹ کی کتنی شدید مذمت کی ہے:

۱۔ ﴿عن إبی جعفر علیه السلام:قال ،کان علی بن الحسین علیهماالسلام یقول لِولده:إتّقُوا الکِذبَ،الصَّغیرمِنهُ والکَبیرَفي کُلِّ جِدٍّوَهَزلٍ فَإِنَّ الرَّجُلَ إذاکَذَبَ في الصَّغیر اجتَریٰ علیٰ الکَبیر،اَمّاعَلِمتُم أَنَّ رَسُولَ اللهِ(ص)قال:مَایَزالُ العَبدُیَصدُقُ

حَتیٰ یَکتُبَهُ اللهُ صَدِّیقاً وَمَا یَزالُ العَبدُیَکذِبُ حَتّیٰ یَکتُبَهُ کذّاباً﴾(۳)

''امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت زین العابدین علیہ السلام نے اپنی اولاد سے فرمایا: جھوٹ سے بچو، خواہ جھوٹ چھوٹا ہو یا بڑا، سنجیدگی کے ساتھ ہو یا مزاح کے طور پر کیونکہ جو چھوٹا جھوٹ کہتا ہے وہ بڑا جھوٹ کہنے کی بھی جرأت کر لیتا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول خدا (ص) نے فرمایا: بندہ اگر ہمیشہ سچ کہتا رہے تو خداوند اسے ''صدیق'' لکھ دیتا ہے اور اگر کوئی بندہ ہمیشہ جھوٹ کہتا رہے تو خداوند اسے ''کذاب'' لکھ دیتا ہے''۔

۲۔ ﴿عن ابی جعفر علیه السلام قال: إنَّ اللهَ عَزَّوجَل جَعَلَ لِلشَّرِّ أقفالاً وَجَعَلَ مَفَاتِیحَ تِلکَ الأقفالِ الشَّرابَ؛ وَالکِذبُ شَرٌّ مِنَ الشَّرابِ﴾(۴)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

''بتحقیق خداوند نے برائی کے لیے (کچھ) قفل بنائے ہیں اور ان (سب) کی کلید شراب کو قرار دیا ہے اور جھوٹ، شراب سے بدتر ہے''۔ یعنی جھوٹ ہر برائی کی کلید ہے۔

۳۔ ﴿عن أبی جعفر علیه السلام قال: "إنَّ الکِذبَ هُوَ خرابُ الإیمان﴾(۵)

یعنی امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''بتحقیق جھوٹ، ایمان کو خراب کرتا ہے''۔

۴۔ ﴿قال امیر المؤمنین علیه السلام: لایَجِدُ عَبدٌ طَعمَ الإیمٰانِ حَتّٰی یَترُکَ

---

(۳) اصول کافی، کتاب ایمان وکفر ''باب الکذب''، حدیث ۲۔

(۴) ایضاً، حدیث ۳۔

(۵) ایضاً، حدیث ۴۔

الکِذبَ هَزلَهُ وَجِدَّهُ﴾(٦)

حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: ”بندہ اس وقت تک ایمان کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا جب تک وہ جھوٹ بولنا ترک نہ کر لے خواہ وہ جھوٹ سنجیدہ ہو یا مزاح کے طور پر“۔

اب امیر المؤمنین علی علیہ السلام، امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام جیسے بزرگان دین اگر جھوٹ کی مذمت میں اس قدر عالی تعلیمات رکھتے ہیں تو کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ تقیہ کے عنوان سے جھوٹ کی ترویج بھی کریں اور اپنے پیروکاروں کو جھوٹ کی طرف راغب کریں۔ یقیناً ان کی نظر میں جھوٹ اور تقیہ میں فرق ہے اسی لیے وہ جھوٹ کی مذمت فرماتے ہیں اور تقیہ کی مدح۔ حق تو یہ ہے کہ اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے نہ کہ تقیہ کو جھوٹ کے مترادف قرار دے کر ان بزرگان دین کے اوپر تہمتیں لگائی جائیں اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے سادہ لوح عوام الناس کو گمراہ کیا جائے۔

۳۔ تقیہ اور اصول دین امامیہ

شیعہ امامیہ پر ایک دوسری تہمت یہ لگائی جاتی ہے کہ شیعہ تقیہ کو اپنے اصول دین میں سے شمار کرتے ہیں اور اسے دین و شریعت کا درجہ دیتے ہیں؟! ان لوگوں نے اس تہمت کے اثبات کے لیے ان روایات و فرمودات آئمہؑ سے استدلال کیا ہے کہ جن میں تقیہ کرنے کو فرض قرار دیا گیا ہے یا یہ فرمایا ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے۔ اسی طرح کی دوسری روایات کہ جن میں تقیہ کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

---

(٦) ایضاً، حدیث ۱۱۔

اس مغالطہ نما تہمت کا جواب یہ ہے کہ یہ افراد نہ تو مفہوم تقیہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ تقیہ کے بارے میں منقول روایات پر غور کرتے ہیں اور فوراً تقیہ کو امامیہ کے اصول دین میں شمار کرنے لگتے ہیں جبکہ شیعہ امامیہ کے اصول دین روز روشن کی طرح واضح ہیں اور شیعہ کی ہر کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔شیعہ کے نزدیک اصول دین فقط پانچ ہیں نہ کم نہ زیادہ اور وہ توحید، عدل، نبوت، امامت اور قیامت ہیں۔شیعہ کی کسی بھی کتاب میں تقیہ کو اصول دین نہیں کہا گیا البتہ جن روایات سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں ان میں تقیہ کو اصول دین کا محافظ ضرور قرار دیا گیا ہے نہ کہ دین کی اصل ۔پس کسی بات کو نیک نیتی کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔اگر نیک نیتی نہ ہو تو تہمت لگانا و افتراء باندھنا، دنیا کا آسان ترین کام ہے۔اگر یہ لوگ تقیہ سے متعلق روایات کو پڑھنے سے پہلے تقیہ کی اصطلاح کو سمجھتے تو یہ اتہام نہ لگاتے۔

تقیہ کا بڑا مقصد دین کی حفاظت ہے اگر کسی روایت میں ہے کہ جو تقیہ نہیں کرتا وہ بے دین ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص دشمنان دین کے ضرر سے بچنے کی خاطر تقیہ جیسی شرعی و عقلی رخصت کی رعائت نہیں کرتا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھونے کے ساتھ ساتھ اپنے دین اور مذہب کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔یعنی جب بے دینی کا دور دورہ ہو، ظالم اور لادین حکمران آپ پر مسلط ہوں، جو ہر دینی قدر کو پائمال کرنے پر تلے ہوں اور جن سے ہر ظالمانہ اقدام کی توقع ہو، اس وقت اگر کوئی شخص تقیہ نہیں کرے گا تو یقیناً اس کی جان بھی جائی گی اور اس کا دین بھی اور وہ اپنے ساتھ ہزاروں دینی بھائیوں کو بھی ضرر پہنچائے گا۔پس تقیہ انسان کے ایمان اور دین کا محافظ ہے، جو تقیہ کی رعائت نہیں کرتا وہ دین و ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔اسی لیے تقیہ کو افضل ترین اعمال میں سے قرار دیا گیا ہے یعنی ایسا عمل کہ جس کے ذریعے اسلامی و دینی معاشرے کی حفاظت کی جاتی ہے

اور قیمتی جانوں کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے دوسرے الفاظ میں تقیہ جان و مال اور دین و ایمان کو محفوظ رکھنے کی ایک حکمت عملی ہے نہ کہ خود دین و شریعت ہے۔ پس ان مخالفین کو چاہیئے کہ وہ دین میں فہم و فراست سے کام لیں نہ کہ تہمت تراشی سے۔ خدا ہم سب کو "تفقہ فی الدین" کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔ تقیہ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ تقیہ ان احکام و تعلیمات کے خلاف ہے کہ جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ جس میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "أفضل الجهاد كلمة حق عندسلطان جائر" یعنی سب سے بڑا جہاد، جابر و ظالم حاکم کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔ یہاں بھی مغالطہ سے کام لیا جاتا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر و تقیہ کے درمیان تعارض ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ یہ دونوں احکام (یعنی تقیہ و امر بالمعروف و نہی عن المنکر) بعض حدود و قیود اور شرائط کے حامل ہیں۔ اگر یہ شرائط نہ ہوں تو ان پر عمل ثواب کے بجائے عقاب بن جاتا ہے چونکہ امر بالمعروف مطلقاً واجب نہیں بلکہ جہاں اس کی شرائط ہوں وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہوتا ہے اور پھر اس کے بھی درجات ہیں جن کو جاننا ضروری ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی منجملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ نہی عن المنکر کرنے یا امر بالمعروف کرنے میں کوئی مفسدہ نہ ہو اور یہ بات کسی بڑے منکر کا سبب نہ بن جائے۔ اگر نہی عن المنکر کرنے سے اس منکر سے بڑا منکر وقوع پزیر ہونے کا امکان ہو تو یہاں امر بالمعروف یا نہی عن المنکر واجب نہیں رہتا اور اس کے عدم جواز پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق کہنا اپنی جگہ فضیلت رکھتا ہے البتہ اگر اس حق

گوئی سے کسی کی جان اور دین وایمان کو خطرہ نہ ہو یا اس سے بڑی خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ اسی طرح تقیہ بھی وہاں ضروری ہے کہ جہاں تقیہ مؤثر ہو اور اس سے تقیہ کے اہداف پورے ہوتے ہوں ورنہ تقیہ بھی مطلقاً واجب نہیں بلکہ اپنی حدود وقیود اور شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ پس ہر دو مسئلہ میں ان کی شرائط کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ اسلام دین عقل ہے اگر عقل کی روشنی میں دینی احکام کو دیکھا جائے تو کسی قسم کا تعارض پیدا نہیں ہوتا یعنی احکام اسلام کو سمجھنے کے لیے عقل اور نیک نیتی کی ضرورت ہے۔

۵۔ تقیہ اور اتحاد بین المسلمین

بعض معاند اور متعصب افراد تقیہ کو اتحاد بین المسلمین کے راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ شیعہ تقیہ کرتے ہوئے اپنے عقائد اہل سنت سے مخفی کر کے انھیں وحدت کی دعوت دیتے ہیں جس سے اہل سنت دھوکہ کھا جاتے ہیں جبکہ وہ اپنے باطل عقائد پر باقی رہتے ہیں فقط اہل سنت کو دکھانے کے لیے اتحاد کا نعرہ بلند کرتے ہیں لہذا جب تک شیعوں میں تقیہ ہے ان کے ساتھ اتحاد نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ اپنے باطل عقائد سے توبہ نہیں کر لیتے وہ مسلمانوں کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتے ؟!

اس عجیب اور انوکھی منطق کے پس پردہ جو اغراض ہیں وہ کسی بھی عاقل سے پوشیدہ نہیں۔ یہ اتحاد بین المسلمین کی کون سی شکل ہے جس کو یہ لوگ وجود میں لانا چاہتے ہیں اور جس کی راہ میں تقیہ اور شیعوں کے عقائد رکاوٹ بنے ہوئے ہیں !! اتحاد بین المسلمین کے بارے میں عقلی و منطقی نظریہ وہی ہے کہ جس کے تمام عقلاء قائل ہیں اور شیعہ کے مدنظر بھی یہی اتحاد ہے اور وہ یہ کہ تمام اسلامی مذاہب اپنے اپنے معتقدات ومسلک پر قائم رہتے ہوئے، دشمنان اسلام کے مقابلے میں

متحد ہو جائیں نہ کہ اپنا عقیدہ چھوڑ کر کسی ایک مذہب پر متفق ہوں، کیونکہ ایسا اتحاد اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ایک دوسرے کے مذہبی مبانی کو دلیل و برہان کے ساتھ باطل ثابت نہ کرلیا جائے اور پھر اسے اتحاد بھی نہیں کہتے کیونکہ اتحاد کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب متعدد فرقے ہوں جب شیعہ اور اہل سنت اپنا اپنا عقیدہ چھوڑ کر ایک ہی مذہب اختیار کرلیں گے تو پھر متعدد مذہب ہی نہیں رہیں گے کہ ان میں اتحاد کی بات کی جائے۔

پس مسلمانوں کے اتحاد کی عقلی و منطقی صورت یہی ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہبی مبانی پر قائم رہتے ہوئے اپنے مشترکہ دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ جائیں اور اپنے جزئی اختلافات کو زیادہ اہمیت نہ دیں کہ جن سے دشمنان اسلام فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں یعنی اپنے 95% مشترکات کو 5% اختلافات پر قربان نہ ہونے دیں اور ایسا اتحاد ممکن بھی ہے اور قابلِ عمل بھی چونکہ تمام مسلمانوں کے مشترکات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کے سامنے جزئی اختلافات کی کوئی اہمیت نہیں ۔سب مسلمان دین کے بنیادی عقائد میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق القول ہیں اور سب ایک خداوند کو مانتے ہیں اُس کی عدالت کے قائل ہیں اُس کے رسولوں اور نازل شدہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں ،معاد اور قیامت کا اقرار کرتے ہیں ،ایک قبلہ کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے ہیں ،صوم صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے وجوب پر ایمان رکھتے ہیں ،تمام ضروریات دین کو قبول کرتے ہیں ،ان بنیادی اعتقادات کے بعد چند ایک جزئی چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھ مدارا اور آشتی کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی سوائے تعصب ، جہالت اور اغیار کی غلامی کے۔

رہی بات تقیہ کی تو اسے اتحاد کی راہ میں رکاوٹ سمجھنا یا تو جہالت و نادانی ہے یا خود غرضی و بدنیتی۔ چونکہ تقیہ ،افتراق کے بجائے اتحاد پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ ہے ۔اگر کوئی اسے صحیح

طور پر سمجھنے کی کوشش کرے اور نیک نیتی کے ساتھ اس پر عمل کرے جیسا کہ گذشتہ صفحات میں تقیہ کی اقسام بیان کی گئی ہیں جن میں سے ایک قسم ،تقیہ مداراتیہ تھی کہ جس کا فلسفہ ہی مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت اور اتحاد ویگانگت کو فروغ دینا ہے، ورنہ خوف اور ضرر سے بچنے کے لیے جو تقیہ کیا جاتا ہے اس کا عام مسلمانوں کی باہمی معاشرت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ظالم اور جائر حکمرانوں سے مختص ہے اور ضروری نہیں کہ ظالم وجائر حکمران سنی ہی ہو، شیعہ بھی ظالم وجائر حکمران ہوسکتا ہے جس سے تقیہ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ پس تقیہ عامل الفت ووحدت ہے نہ کہ عامل افتراق۔ شیعہ فقہاء اہل سنت کے ساتھ باہمی میل ومحبت برقرار کرنے کے لیے اپنے پیروکاروں کو صبر وتحمل اور مدارا وآشتی کا درس دیتے ہیں اور جہاں مسلمانوں کی وحدت کو دشمنان اسلام کے مقابلے میں ضروری سمجھتے ہیں وہاں تقیہ مداراتیہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں تاکہ مسلمان کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوں۔ خصوصاً حج کے مسائل میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، جن کی تفصیل گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔

دوسرا یہ کہنا کہ شیعہ اتحاد کی خاطر اپنے حقیقی عقائد، اہل سنت سے پنہان رکھتے ہیں! تو یہ بھی محض ایک خیال بافی ہے۔ آج پوری دنیا میں شیعوں کی کتابیں اور نشریات پھیلی ہوئی ہیں ہر علاقے میں شیعہ، اہل سنت کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں اور اپنے مسلک کے مطابق عبادات اور دوسرے فرائض دینی انجام دیتے ہیں جن سے اہل سنت اچھی طرح آگاہ ہیں۔ اس کے باوجود کہنا کہ شیعہ اپنا مذہب مخفی رکھتے ہیں۔ کیا وہ ایسا کرسکتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے کہ برسہا برس اہل سنت کے ساتھ زندگی گذارنے کے باوجود شیعہ اپنا مذہب ومسلک ان سے پنہان رکھ سکیں؟ اور تقیہ کرکے انھیں اتحاد کی دعوت دیں۔ یہاں پھر وہی تضاد پیدا ہوجاتا ہے کہ اگر شیعوں نے اپنا مذہب دوسروں

سے چھپایا ہوا ہے تو انھیں اتحاد کی ضرورت ہی کیا ہے، اتحاد تو اس وقت ہوتا جب دو مذاہب ہوں اگر تقیہ کی وجہ سے دوسرا مذہب ظاہر ہی نہ ہو تو اتحاد کیسا؟ لیکن یہ عقل کے اندھے ایسے شبہات پیدا کرتے ہوئے ان باتوں پر غور نہیں کرتے۔

اگر اس قسم کے شبہات کے موجد افراد کے طرز تکلم اور انداز قلم کو غور سے دیکھا جائے تو مسئلہ واضح ہو جاتا ہے ان کے یہ بھونڈے اعتراضات، بے منطق باتیں، اشتعال انگیز تحریریں اور ممکن کو ناممکن کہنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا اتحاد برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں کی باگیں عالمی صیہونیت اور سامراجی قوتوں کے ہاتھ میں ہوں وہ کب مسلمانوں کی قوت کو اکٹھا ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔ ان کی تمام کتابوں، تحریروں اور تقریروں کا ہدف ہی مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا خون خرابہ کرانا ہے تو وہ اتحاد بین المسلمین کی ہر کوشش کو ناممکن قرار نہ دیں تو کیا کریں؟ وہ ممتاز سنی عالم دین اور مفتی مصر شیخ محمود شلتوتؒ جیسے مخلص افراد کو سادہ لوح اور سرکاری ملاں نہ کہیں تو کیا کریں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر تمام علمائے اہل سنت شیخ محمود شلتوتؒ کی طرح مسلمانوں کے تمام فقہی مذاہب کی پیروی کرنا جائز قرار دے دیں تو، عالمی کفر کے مقابلے میں مسلمانوں کا اتحاد عملی صورت اختیار کرنے لگے گا اور ان جیسے دین فروش اہل قلم اور خطیب بھوکوں مرنے لگیں گے۔

۶۔ تقیہ اور باطنی گری

مذکورہ بالا تہمت کی طرح، تقیہ کے بہانے ایک دوسری تہمت اہل تشیع پر لگائی جاتی ہے وہ یہ کہ شیعہ ایک باطنی مذہب ہے چونکہ شیعہ اپنے عقائد کو مخفی رکھتے ہیں اور تقیہ کی وجہ سے کوئی بھی ان کے اعتقادات سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ اپنا عقیدہ دوسروں سے پنہان رکھیں، لوگ انھیں کیسے پہچان سکتے ہیں؟ اور پھر اس تہمت کے بعد کہا جاتا ہے، ''اگر شیعہ مذہب، قابل عمل ہوتا تو سب لوگ

اس سے آگاہ ہوتے چونکہ اس مذہب میں کوئی قابل توجہ، ہدایت وراہنمائی کا پہلو نہیں اس لیے اسے تقیہ کے پردے سے پنہان رکھا جاتا ہے۔

تقیہ کی وجہ سے اتحاد بین المسلمین کو ناممکن قرار دینے والوں کی یہ دوسری خیال بافی ہے کہ جو اپنے تعصب اور بغض وعناد کی شدت کے سبب روشن ترین حقائق کا انکار کرنے لگتے ہیں۔تقیہ کی مشروعیت کے قرآن وسنت کے مطابق اور عقل وفطرت کی روشنی میں واضح ہوجانے کے بعد اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اور شبہات کسی قسم کے اعتناء کے قابل نہیں رہتے، بالخصوص موجودہ دور میں کہ جب نشر واشاعت کی حیرت انگیز ترقی اور جدید ترین ذرائع کے ذریعے شیعہ مذہب کے علوم وفنون پر مشتمل لاکھوں کتابوں کے شائع ہوجانے کے بعد بھی اگر کوئی اس مذہب کے باطنی ہونے کا ادعا کرتا ہے تو یہ واضح تعصب اور عناد کی سب سے بڑی مثال ہے۔

شیعہ امامیہ نے کسی بھی دور میں مذہب حقہ کو پنہان نہیں رکھا کیونکہ شیعہ اپنے آئمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے امت اسلامی کی ہدایت اور راہنمائی کے سلسلے میں غیر معمولی حساسیت اور جذبات رکھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ مذہب حقہ کی تبلیغ اور مسلمانوں کی ہدایت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اس سلسلے میں عشرہ محرم اور عزاداری امام حسینؑ برپا کرنے کا سب سے بڑا فلسفہ یہی ہے کہ تمام مسلمانوں کو انکے اختلاف کے بنیادی عوامل سے آگاہ کیا جائے اور حقیقی اسلام محمدیؐ اور اُموی اسلام میں فرق ظاہر کیا جائے۔لہذا عزاداری کا سب سے بڑا مقصد حق وحقیقت کی تبلیغ کرنا ہے اور مسلمانوں کو بتانا ہے کہ تمہارے زوال اور انحطاط کے حقیقی اسباب کیا ہیں اور کن لوگوں نے یہ اسباب فراہم کیے ہیں۔پس شیعہ ہر دور میں مسلمانوں کو تاریخی حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہوئے دینی حقائق کی تبلیغ کرتے رہے ہیں بشرطیکہ اس تبلیغ وہدایت کی

وجہ سے، بغیر کوئی عقلی فائدہ حاصل ہوئے دین اور مذہب یا کسی مؤمن کی قیمتی جان، مال، عزت وآبرو کو ضرر ونقصان نہ پہنچے۔ گذشتہ صفحات میں مسئلہ تقیہ کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ تقیہ مؤمنین کی قیمتی جانوں کو ضائع ہونے سے بچانے کا وسیلہ ہے نہ کہ حقائق کو چھپانے کا بہانہ۔ تقیہ کا سب سے بڑا مقصد مذہب حقہ اور حقیقی اسلام محمدیؐ اور اس کے سچے پیروکاروں کی حفاظت کرنا ہے اور اس الٰہی حکمت عملی کے ذریعے اسلام کی نشر واشاعت کے علاوہ ایماندار قوتوں کو بنی عباس و بنی امیہ اور موجودہ دور میں عالمی استکباری سامراج اور ان کے کارندوں کے ظلم وستم سے بچانا ہے کہ جو اسلام کے خول میں قادیانیت، وھابیت، ناصبیت اور بہائیت جیسے نام نہاد اسلامی فرقوں کی ترویج کر رہے ہیں اور اپنی تہمت تراشیوں اور بے اساس شبہات واعتراضات کے ذریعے سادہ لوح مسلمانوں کو حقیقی اسلام اور اس کے سچے پیروکاروں سے متنفر کرنے کی سعی کرتے ہیں کہ جو اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات کے سائے میں تشیع کے آئینے میں پوری دنیا پر جلوہ گر ہو چکا ہے۔ لہذا مذہب اہل بیتؑ پر باطنی گری اور پنہان کاری کی تہمت کا سب سے بڑا مقصد یہی ہے کہ سادہ لوح مسلمانوں کو یہ کہہ کر اس سے دور رکھا جائے کہ شیعہ کوئی قابل عمل مذہب نہیں بلکہ ایک باطنی فرقہ ہے جو اپنی تعلیمات کے بطلان کی وجہ سے کسی کو ان سے آگاہ نہیں کرتا۔ ہم ان یاوہ گو حضرات سے پوچھتے ہیں: اگر شیعہ مذہب کی تعلیمات مخفی ہیں اور ان کی کتابوں تک دسترس عام لوگوں کے لیے ناممکن ہے تو آج پوری دنیا میں شیعوں کے بارے میں تحقیقات کیوں کی جا رہی ہیں؟ اور دشمنان اسلام کی طرح خود یہ حضرات کیوں پریشان ہیں؟ اور آئے دن نئی سے نئی کتابیں شیعوں کے خلاف کیوں لکھ رہے ہیں؟ اور شیعوں کے اعتقادات پر بے جا تنقید کرنے کی خاطر حوالوں کے لیے اس قدر شیعہ کتابیں کہاں سے لاتے ہیں؟ یہ ان کا اپنا اعتراف ہے کہ شیعہ مذہب روز بروز پھیل رہا ہے اور مسلمانوں کی

اکثریت انقلاب اسلامی ایران کے بعد شیعہ اسلام کی طرف راغب ہو رہی ہے، جس سے ان کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔

ان لوگوں نے شیعہ مذہب کے باطنی ہونے اور اس میں کتمان کی اہمیت کو آئمہ اطہارؑ کی اُن روایات سے ثابت کیا ہے کہ جن میں کتمان کا حکم ملتا ہے اور بعض دقیق علوم و اسرار کو پھیلانے سے روکا گیا ہے، لیکن یہاں بھی روایات کے مفہوم کو سمجھنے میں یا تو غلطی کی گئی ہے یا بدنیتی سے کام لیا گیا ہے۔ ان روایات میں بعض ایسے مسائل کے بارے کتمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ جن کو عام لوگوں کے اذہان قبول نہیں کر سکتے، چونکہ فہم اور فراست کے لحاظ سے لوگوں کے کئی درجات ہیں۔ خداوند حکیم نے جس طرح لوگوں کی ظاہری شکل و صورت اور چہرے ایک جیسے نہیں بنائے اسی طرح لوگوں کو سمجھ بوجھ اور فہم و ادراک بھی ایک جیسا عطا نہیں فرمایا۔ اسی لیے حکماء ''کلموا الناس علی قدر عقولھم'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے بات کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے بھی انسانوں کے اسی ضعف کو مدنظر رکھتے ہوئے اعلیٰ دینی معارف اور ماورائے طبیعت مسائل اور امور غیبی کو سادہ، قابل فہم اور محسوس مثالوں کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس کا فلسفہ یہی ہے کہ سادہ فہم رکھنے والے لوگ زیادہ دقیق باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور انھیں جھٹلانے لگتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی مثال خود مسئلہ امامت و ولایت ہے کہ جسے سادہ عرب ایک خاندانی مسئلہ سمجھ بیٹھے تھے اور رسالتمآبؐ کی رحلت کے فوراً بعد دین کی تفسیر اپنی قبائلی مزاج کے مطابق کرنے لگے جس سے اس دور کے سیاسی گھاگوں نے پورا فائدہ اٹھایا اور مسلمان معاشرے کو اپنی مرضی کے راستے پر لگا دیا جس کے نتائج آج تک امت اسلام بھگت رہی ہے لہذا اکثریت کی اسی کم فہمی اور سطحی پن کی وجہ سے احادیث میں عام لوگوں کے سامنے دقیق مسائل اور نکات بیان

کرنے سے منع کیا گیا ہے کنزل العمال، میں آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ ﴿لاتحدثوا امتی من احادیثی إلّا بما تحمله عقولهم﴾(۷) یعنی میری امت کے سامنے میری وہ حدیثیں بیان کرو، جن کو وہ برداشت کرسکیں۔ امام بخاری، ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

﴿قَال حَفِظْتُ مِن رَسُولِ اللهِ(ص)وِعَائَينِ فَأَمَّا أَحدُهُمَا فَبَثَثتهُ وَأَمَّاالآخَرُفَلو بَثَثتهُ قُطِعَ هَذَا البُلعُومُ﴾(۸)

ابوہریرہ کا کہنا ہے: ''میں نے رسول اللہؐ سے احادیث کے دو ظرف پر کیئے (یعنی علم کے دو خزانے حاصل کیئے ہیں) ایک تو میں نے (لوگوں پر) کھول دیا ہے، اگر دوسرے کو (بھی) کھول دوں تو (لوگ) میرا گلا کاٹ ڈالیں''۔

ابوہریرہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ لوگ برداشت کرسکتے تھے وہ میں نے بیان کردیا ہے اور جو ان کے لیے قابل برداشت نہیں تھا اسے مخفی رکھا ہے۔ پس شیعہ روایات میں بھی جہاں کتمان علم کا حکم ملتا ہے وہاں پورے مذہب حقہ کو کتمان کرنا اور مخفی رکھنا مراد نہیں ہے بلکہ ظواہر سے چمٹے رہنے والے اور سطحی اذہان کے حامل افراد سے ایسی باتیں مخفی رکھنا مراد ہے کہ جنہیں وہ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے تحمل نہیں کرسکتے اور محسوسات کے علاوہ ماورائے طبیعت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ موجودہ زمانے میں جس کی واضح مثال وھابی فرقہ ہے کہ جس کے پیروکار قرآن وسنت کے ظواہر کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول کرنے کے لیے تیار ہی نہیں اور دقیق عقلی مسائل کو درک کرنے

---

(۷) کنز العمال، ج۵، ص۲۱۴۔

(۸) صحیح بخاری، ج۱، کتاب العلم، باب حفظ العلم، ح۱۱۷۔

سے عاجز ہیں۔اب ایسے لوگ امامت وولایت اور بداء وتقیہ پر اعتراض نہ کریں تو کیا کریں۔جن کی استعداد ہی کم ہو ان سے کیا گلہ۔ایسے ہی کم ظرف لوگ حقیقی اسلام کی تعلیمات کو درک کرنے کے بجائے انھیں جھٹلانے پر اتر آتے ہیں اور اہل علم طبقے کو متہم کرنے لگتے ہے۔

رہی یہ بات کہ شیعہ مذہب عمل وہدایت کے قابل نہیں،اس لیے اسے تقیہ کے ذریعے مخفی رکھا جاتا ہے تو یہاں بھی مغالطہ کاری سے کام لیا گیا ہے،اگر تقیہ کا صحیح مفہوم لیا جائے اور اس کی تفسیر قرآن وسنت کے مطابق کی جائے نہ کہ اپنی غرض کے مطابق۔اسی طرح مذہب اہل بیتؑ کی تعلیمات کو نیک نیتی کے ساتھ اور سطحی پن سے ہٹ کر دیکھا جائے تو ہدایت کا پہلو روشن ہو، جو لوگ کسی بھی صورت میں تعلیمات اہل بیتؑ کو مثبت نظر سے دیکھنا ہی نہیں چاہتے اور دوسروں پر بھی حقائق مخفی کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ کس طرح ہدایت پا سکتے ہیں۔منفی سوچ اور تعصب کی نگاہ کے ساتھ تو کلام الٰہی سے بھی ہدایت حاصل نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ الٰہی نمائندوں کی تعلیمات پر عمل کیا جائے اور پھر ہدایت الٰہی بھی وہاں مؤثر ہوتی ہے جہاں ہدایت قبول کرنے کی استعداد موجود ہو۔زرخیز زمین ہی باران رحمت سے فیض یاب ہوتی ہے نہ کہ سنگلاخ وپتھریلی زمین۔جن کے دلوں میں اہل بیت اطہارؑ کا بغض اور عناد بھرا ہو وہاں ہدایت جیسا پاکیزہ پودا کیسے اُگ سکتا ہے۔آل رسولؐ کی مودّت رُشد وہدایت کا پہلا زینہ ہے اگر خداوند متعال نے قرآن مجید میں ﴿قُل لاأسئلُکُم عَلَیهِ أجراً إلّا المُودّة فی القربیٰ﴾(۹) فرما کر مؤمنین کو آل رسول سے مودت رکھنے کا حکم دیا ہے تو یہ کوئی نسلی وخاندانی عصبیت کو اجاگر کرنا نہیں تھا۔بلکہ اس کا فلسفہ وہ

---

(۹) سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔

انسانی نفسیات ہیں کہ جس کے مطابق انسان جس سے مودّت ومحبت رکھتا ہے اس کے کردار وگفتار کو بھی اپناتا ہے۔پس مذہب اہل بیتؑ میں اگر کسی کو ہدایت کا پہلو نظر نہیں آتا تو یہ اس کا اپنا قصور ہے نہ کہ مذہب اہل بیت کا۔

۷۔انبیا اور اوصیا علیہم السلام کا تقیہ

تقیہ کے مخالفین کا ایک اعتراض اور طعن یہ بھی ہے کہ امامیہ انبیا اور اوصیا و آئمہ اطہارؑ سے تقیہ کی نسبت دیتے ہیں۔جس سے ان ذوات مقدسہ کی توہین ہوتی ہے!!

انبیاء اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے تقیہ کے سلسلے میں امامیہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے کی بنیادی وجہ ان لوگوں کا تقیہ کے مفہوم سے آگاہ نہ ہونا ہے یا تقیہ کا غلط معنیٰ لیکر اسے انبیا کی توہین قرار دینا ہے۔لیکن تقیہ اپنے صحیح مفہوم کے ساتھ کہ جس کی وضاحت گذشتہ صفحات میں قرآن وسنت اور عقل ومنطق کی روشنی میں کی جا چکی ہے انبیا وآئمہؑ کے لئے باعث توہین نہین ہے اگر تعصب کو چھوڑ کر تقیہ کے قرآنی وعقلی مفہوم کو لیا جائے تو انبیا وآئمہؑ کا تقیہ کرنا نہ تو خلاف شرع ہے نہ خلاف عقل چونکہ تقیہ کو شارع مقدس نے دین کی حفاظت کے لیے تشریع فرمایا ہے۔لہذا جہاں بھی دین کی حفاظت اور مصلحت کی خاطر تقیہ کرنا ضروری ہو جائے تو وہاں انبیا وآئمہؑ یا عام افراد میں فرق نہیں رہتا البتہ عام لوگ ہوسکتا ہے تقیہ کے موارد اور مجاری میں اشتباہ کا شکار ہو جائیں اور اضطرار کی حالت میں حکم اولی وحکم ثانی میں تمیز نہ کرسکیں یا ذاتی خوف اور بزدلی کا شکار ہو کر تقیہ کرنے لگیں لیکن انبیا وآئمہؑ دین کی نشر واشاعت کے علاوہ اس کی حفاظت پر بھی مامور ہوتے ہیں لہذا وہ کبھی بھی دین کی مصلحت کے خلاف تقیہ نہیں کرتے ان کو اپنی ذات سے زیادہ دین کی مصلحت وحفاظت کا خیال ہوتا ہے ۔ان کا تقیہ اور حقیقت کو پنہان رکھنا یا تو دین کی حفاظت ومصلحت کے لئے ہوتا ہے

یا خود انسانیت کی بھلائی کے لئے۔ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ انبیا اور آئمہ علیہم اسلام کے تقیہ کو تقیہ کے بجائے مدارا کہنا بہتر ہے چونکہ تقیہ میں ایک قسم کا ضعف کا پہلو پایا جاتا ہے یعنی انسان جب دین اور حق وحقانیت کی حفاظت کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور نہ علمی و منطقی قوت استدلال رکھتا ہے اور نہ ہی قوت بازو۔ تو وہ عقلاً وشرعاً تقیہ کرنے پر مأمور ہو جاتا ہے دوسرے الفاظ میں تقیہ کمزور اور ناتوان لوگوں کے لئے ایک سپر کی سی حیثیت رکھتا ہے لیکن انبیاء اور آئمہ ؑ علم و منطق کے لحاظ سے بھی اور ظاہری و بدنی قوت وشجاعت کے لحاظ سے بھی سب لوگوں سے قوی ہوتے ہیں لہذا اگر وہ کسی مسئلہ میں چشم پوشی کرتے ہیں اور بعض حقائق کو پنہان رکھتے ہیں یا اپنے موقف کو دوسروں سے چھپاتے ہیں تو یہ ان کی کمزوری کی علامت نہیں بلکہ اس میں دین کی مصلحت یا لوگوں کی فکری وعقلی پستی مقتضی ہوتی ہے کہ ان سے بعض حقائق چھپائے جائیں اس سلسلے میں چند روایات گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہیں۔

عام لوگ اپنی فکری پستی اور سطحی پن کی وجہ سے حقائق کا انکار کرنا شروع کر دیتے ہیں لہذا اولیائے الٰہی اور خدائی نمائندوں کو لوگوں کی فکری سطح اور شعور کے پختہ ہونے تک صبر کرنا پڑتا ہے لہذا وہ تدریجاً حقائق کا اظہار کرتے ہیں جیسے ایک باپ اپنے بچے سے بہت سے حقائق چھپاتا ہے لیکن جب وہ سن بلوغ اور شعور تک پہنچ جاتا ہے تو اسے وہ سب حقائق بتا دیئے جاتے ہیں۔

البتہ امامیہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء اور آئمہ اطہارؑ دین کی تبلیغ کے سلسلے میں اپنے ذاتی مفاد اور اغراض کی خاطر ہرگز تقیہ اور کتمان نہیں کرتے کیونکہ یہ بات ان کے مقام اور منصب کے خلاف ہے خصوصاً انبیائے اکرام کہ جو ابلاغ شریعت پر مأمور ہوتے ہیں اگر تقیہ کرنے سے ان کی یہ مأموریت متاثر ہو تو وہ ہرگز تقیہ نہیں کرتے اس لیے شیخ طوسی علیہ الرحمہ انبیاء کے لئے تقیہ کے قائل

نہیں۔(۱۰) اسی طرح اگر تقیہ اخبار انبیا میں تشکیک کا باعث بنے تو ان کے لئے تقیہ جائز نہیں ہے (۱۱)۔ پس انبیائے اکرام ایسے مسائل میں ہرگز تقیہ نہیں کرتے جو ان کی رسالت اور ابلاغ شریعت کے منافی ہوں اگر کہیں انبیاء نے تقیہ یا مخفی کاری کی بھی ہے تو وہ ایسا مورد نہیں جس سے ابلاغ شریعت کی مأموریت متاثر ہوئی ہو۔

اسی طرح آئمہ اطہارؑ اور اوصیائے کرامؑ کے تقیہ کے بارے میں امامیہ کا نظریہ یہ ہے کہ اگر امام کے لئے تقیہ کے اسباب وشرائط فراہم ہو جائیں اور کوئی مانع بھی نہ ہو تو امام تقیہ کر سکتا ہے۔ امام کے لئے تقیہ کے جواز کی شرائط یوں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اگر شرعی احکام اور فرائض کی معرفت، امامؑ پر ہی منحصر نہ ہو یعنی امامؑ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے ہم احکام سے آشنا ہو سکیں جیسے امام کا منصوص ہونا کہ جو خود امام کے قول پر موقوف نہیں بلکہ اسے ہم عقل اور پیغام کے ذریعے بھی جان سکتے ہیں۔

(۲) امام اس صورت میں تقیہ کر سکتا ہے کہ جب امام کا تقیہ حق تک پہنچنے میں مخل نہ ہوتا ہو اور تقیہ کے اسباب بھی موجود ہوں۔

(۳) جس بات میں امام تقیہ کر رہے ہیں اس کے بارے میں واضح دلیل موجود ہوتا کہ ہم تکلیف اور فریضہ کی شناخت اور فہم سے محروم نہ رہیں۔

پس اگر احکام الٰہی کی معرفت امام میں ہی منحصر ہو یا امام کے تقیہ سے حق کی معرفت مشکل ہو جائے

---

(۱۰) تلخیص الشافی، ج ۳، ص ۸۷۔

(۱۱) التبیان، ج ۷، ص ۲۵۹، ۲۶۰۔

اور دوسری کوئی قاطع دلیل بھی نہ ہو تو پیغمبر کی طرح امام کے لئے بھی تقیہ جائز نہیں ہوگا (۱۲)۔

پس اگر تقیہ کرنے سے پیغمبر اور امام اپنی الٰہی ماموریت انجام نہ دیں سکیں تو ان کا تقیہ کرنا کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ امامیہ کسی بھی جگہ نبی اور امام کے لئے اس طرح کے تقیہ کے قائل نہیں ہیں کہ جہاں ان ذوات مقدسہ نے محض اپنی ذاتی غرض اور مفاد یا خوف اور ڈر کی وجہ سے تقیہ کیا ہو یا حقائق کو چھپایا ہو۔ کیونکہ یہ ان کے مقام و منصب کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک آئمہ طاہرینؑ نے جہاں بھی تقیہ کیا ہے یا مخالفین کے مقابلے میں سکوت اختیار کیا ہے اور حقائق کے اظہار سے اجتناب کیا ہے وہاں دین کی مصلحت اور حفاظت ہی ان کے مدنظر تھی۔ آئمہ کا تقیہ امت سے مدارا کی حیثیت رکھتا تھا چونکہ آئمہ طاہرینؑ سب سے زیادہ عالم، عاقل، شجاع، اور قوی تھے لیکن وہ امت کی ہدایت کے لئے اپنی تکوینی ولایت کو استعمال کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ اگر جناب زہرا سلام اللہ علیہا اپنے اس مقام اور منزلت کو تصرف میں لاتیں کہ جو انھیں بارگاہ الٰہی میں حاصل تھی اور جس کی پیغمبر اسلامؐ نے بارہا صراحت فرمائی تھی، تو کس کو انکار کی جرأت ہوتی؟ یا امیر المؤمنینؑ کہ جن کی ذوالفقار نے کفار اور مشرکین کی گردنیں اڑائیں تھیں، اپنے مخالفین کے مقابلے میں ذوالفقار نکال لیتے تو کس کی جرأت تھی کہ انکار کرتا؟ لیکن اہل بیت اور آئمہ طاہرینؑ اس کام پر مامور نہیں تھے بلکہ یہ ذوات مقدسہ تو اُمت کے امتحان کا ''وسیلہ'' تھیں کہ کون پیغمبرؐ کی وصیت کو مدنظر رکھ کر رشد و ہدایت کی ان مشعلوں کے سامنے خاضع ہوتا ہے اور کون ان کی نافرمانی کرتا ہے لہذا پیغمبر اسلامؐ کے بعد امیر المومنینؑ کے سکوت اور اُمت سے مدارا یا تقیہ کو آپؑ کی عدم شجاعت پر

---

(۱۲) تلخیص الشافی، ج ۳، ص ۸۷۔

حمل نہیں کیا سکتا اور کوئی بھی حقیقی شیعہ اس بات کا قائل نہیں ہے کہ آئمہ نے اپنی جان بچانے یا نعوذ باللہ عدم شجاعت اور خوف کی وجہ سے مخالفین کے سامنے سکوت اختیار کیا ہے بلکہ دین اسلام کی حفاظت اور امت کی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ آئمہ اطہارؑ بعض مواقع پر صبر فرماتے لیکن جہاں صبر وسکون اور مدارا کرنا دین کی مصلحت وحفاظت کے خلاف تھا وہاں آئمہ نے قیام فرمایا ہے جس کی سب سے بڑی مثال سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا قیام اور واقعہ عاشورا ہے جہاں تقیہ اور سکوت شرعاً وعقلاً امام کے لئے حرام تھا۔

بعض معاندین کا کہنا ہے کہ شیعہ اس لئے آئمہؑ کے تقیہ کے قائل ہیں چونکہ آئمہؑ سے صحابہ کرامؓ اور اپنے مخالفین کی مدح میں بہت سی روایات منقول ہیں لہذا شیعہ ان روایات کو آئمہؑ کے تقیہ پر حمل کرتے ہیں !! تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ اس قسم کی روایات انتہائی کم ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں آئمہ کے اپنے مخالفین اور بعض صحابہ کے خلاف احتجاج پر بنی روایات بہت زیادہ ہیں پھر مدح صحابہ کی روایات سند ودرایت کے لحاظ سے بھی قابل خدشہ ہیں ان کو تقیہ پر حمل کرنے سے پہلے سند ودرایت کے لحاظ سے ہی ضعیف قرار دیا جاسکتا ہے تو پھر تقیہ کی توجیہہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جس شخص نے شیعوں کے تقیہ کا فلسفہ ان روایات کو قرار دیا ہے وہ درحقیقت شیعہ اور آئمہؑ کی تاریخ سے بھی بے اطلاع ہے اور تقیہ کے مفہوم سے بھی چونکہ شیعوں کے پاس تقیہ کے جواز پر عقلی ونقلی ادلہ موجود ہیں اور اس قسم کی وضعی روایات کا جواب بھی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ جو لوگ انبیا کے تقیہ کے سلسلے میں اہل تشیع کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے ہیں انہی کی کتب ومنابع میں انبیائے کرام سے ''کذب'' کی نسبت دی گئی ہے اور کہیں انبیا کے فعل کی ''توریہ'' سے توجیہہ کی گئی ہے لیکن تعصب کی وجہ سے اسے تقیہ نہیں کہا گیا چنانچہ اس سلسلے میں چند

شواہد پیش کیئے جاتے ہیں:

﴿عن ابی هريرة قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كم يَكْذِبُ اِبْرَاهِيمُ فِى شَىً قَطُّ اِلَّا فِى ثَلا ث قَوْلَهُ: اِنِّى سَقِيمٌ وَلَمْ يَكُنْ سَقِيماً وَقَوْلُهُ لِسَارَةَ اُخْتِي وَقولُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ﴾(۱۳)

''حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراھیمؑ نے صرف تین مرتبہ (بظاہر) خلاف واقعہ بات کہی ہے آپ نے فرمایا: میں بیمار ہوں حالانکہ آپ بیمار نہ تھے، حضرت سارہ کے بارے میں فرمایا: وہ میری بہن ہے اور فرمایا: ان کے بڑے نے کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

اہل تشیع کے نزدیک حضرت ابراھیمؑ کے بارے میں اس طرح صریحی جھوٹ کی نسبت دینا خلاف قرآن ہے اور نبی خدا کی صریحی توہین ہے چونکہ قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کو صدیق قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد خداوند ہے:

﴿وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرَاهِيمَ اِنَّهُ كَانَ صِدِيْقاً نَّبِيًّا﴾(۱۴)

''(اے رسولؐ) تو ابراہیمؑ کا تذکرہ کر یقیناوہ ایک سچا نبی تھا۔''

جب قرآن حضرت ابراہیمؑ کو سچا قرار دیتا ہے تو پیغمبر اسلامؐ کس طرح انھیں نعوذ باللہ ''کاذب'' کہہ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اہل سنت کی کتب میں موجود یہ روایت جعلی ہے۔ شیعہ مفسرین حضرت ابراہیمؑ کے جھوٹ کے قائل نہیں ہوئے یہاں موقع ومحل کی مناسبت سے

---

(۱۳) جامع ترمذی مترجم اُردو، ج ۲، ص ۴۶۰ ؛ صحیح بخاری شریف مترجم، ج ۲، ص ۳۰۴، کتاب بدا الخلق

(۱۴) سورۂ مریم، آیت ۴۱۔

حضرت ابراہیمؑ نے مخالفین کے مقابلے میں ''توریہ'' سے کام لیا تھا کہ جو ایک طرح کا تقیہ ہے۔ لہذا اسے ''کذب'' کہنا خلاف حقیقت ہے اسی لئے بعض اہل سنت علماء جب ان روایات کی خرابی کی طرف متوجہ ہوئے ہیں تو ان کی توجیہہ کرتے ہوئے ان کو حضرت ابراہیمؑ کے ''توریہ'' پر حمل کیا ہے لیکن تعصب کی بناء پر تقیہ نہیں کہا۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب اس قسم کی روایات کی توجیہہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت ابراہیمؑ کے ارشاد ''اِنِّی سَقِیمٌ'' کے لئے جو کَذِبَة (جھوٹ) کے الفاظ استعمال کیئے ہیں ان سے مراد ''توریہ'' ہے جس کی ظاہری شکل جھوٹ ہوتی ہے لیکن متکلم کی مراد کے لحاظ سے وہ جھوٹ نہیں ہوتا خود اس حدیث کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿مَامِنْهَا كَذِبَةٌ اِلَّامَاحَلَّ بِهَا عَنْ دِيْنِ اللهِ﴾ (۱۵)

''ان میں سے کوئی جھوٹ ایسا نہیں ہے جو اللہ کے دین کی مدافعت اور حمایت میں نہ بولا گیا ہو۔''

لیکن ہمارا کہنا یہ ہے کہ جھوٹ و کذب صریحی طور پر خلاف قرآن ہے اور جھوٹ مزاح کے طور پر بھی مذموم ہے پھر کیسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹ کے ذریعے دین کی مدافعت اور حمایت کی گئی ہے دراصل جھوٹ اور تقیہ میں فرق نہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ ''کذب'' جیسے قبیح فعل کو انبیا سے منسوب کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اب جن افراد کی کتابوں میں ''جھوٹ'' کی نسبت اولوالعزم انبیا سے دی جاتی ہو وہی انبیا کے تقیہ کا قائل ہونے پر امامیہ کی مذمت کریں تو یہ حیرت کا مقام نہیں تو کیا ہے!!

---

(۱۵) معارف القرآن، ج ۷، ص ۴۵۳۔

علامہ بیضاوی کی صراحت

ممتاز اہل سنت عالم و مفسر علامہ بیضاوی نے تو انبیا کے تقیہ کرنے کی صراحت کر دی ہے وہ آیہ مجیدہ ﴿وَفَعَلْتُ فَعْلَتَكُ الَّتِي فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ.....﴾ (۱۶) کے ذیل میں لکھتے ہیں: ﴿فَاِنَّهُ عَلَيْهِ الصَلاة و السلام كَانَ يُعايشهم بالتقية﴾ (۱۷)

''حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کے ساتھ تقیہ سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔''

یہ تو گذشتہ انبیا کے تقیہ کی بات تھی اختصار کے پیش نظر مزید شواہد سے اجتناب کیا جاتا ہے رہی پیغمبر اسلامؐ کے تقیہ کی بات تو یہاں بھی خود اہل سنت کی طرف سے جو موقف ہے وہ پیش کرتے ہیں۔

تمام اہل سنت مفسرین نے آیہ مجیدہ ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (۱۸)

''پس جو حکم تجھے دیا جاتا ہے وہ کھول کر سنا دو اور مشرکین سے منہ پھیر لو۔'' کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول اکرمؐ اور صحابہ اکرامؓ چھپ چھپ کر عبادت اور تلاوت کرتے تھے اور تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ بھی خفیہ ہی ایک ایک دو دو فرد کے ساتھ جاری تھا۔ کیونکہ اظہار و اعلان میں کفار کی ایذا رسانی کا خطرہ تھا۔ (۱۹)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: ''اس آیت کے نزول سے پہلے رسول اللہؐ اسلام و ایمان

---

(۱۶) سورۃ الشعراء آیت ۱۹۔

(۱۷) تفسیر البیضاوی، ج ۲، ص ۱۵۲۔

(۱۸) سورۃ الحجر، آیت ۹۴۔

(۱۹) معارف القرآن، ج ۵، ص ۳۱۴۔

کی دعوت پوشیدہ طور پر یا کرتے تھے اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہؐ اور آپؐ کے ساتھی کھل کر سامنے آگئے۔ (۲۰)

اسی طرح تمام مؤرخین اور سیرت نگاروں نے بھی دعوت اسلام کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا ہے ایک دعوت کا خفیہ مرحلہ کہ جو ابتدائی تین سال پر مشتمل تھا اور دوسرا علنی دعوت کا مرحلہ یعنی پیغمبر اسلامؐ نے مبعوث ہونے کے بعد ابتدائی تین سال خفیہ دعوت دینے میں گذارے ہیں (۲۱)

اب جب سب اہل سنت مفسرین اور مؤرخین قائل ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اپنی دعوت کے ابتدائی تین سال کفار و مشرکین کے خطرے سے محفوظ رہنے کے لئے خفیہ دعوت دینے میں گذارے ہیں تو پھر پیغمبر اسلامؐ یا آئمہ طاہرین علیہم السلام کے تقیہ کا قائل ہونے پر اہل تشیع کی مذمت کرنا ناروا تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ جب عقلاً و نقلاً تقیہ کا جواز اور وقوع ثابت ہے تو پھر اس طرح کے لایعنی اعتراضات کر کے مسلمانوں کے اذہان کو مشوّش کرنا کون سی اسلام کی خدمت ہے؟؟

دوم: عام شبہات

تقیہ کے بارے میں کچھ عام شبہات بھی ہیں یعنی ایسے شبہات جو مخالفین کے علاوہ خود پیروان اہل بیت کے اذہان میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر تقیہ اس قدر اہمیت کا حامل ہے اور آئمہ اطہارؑ نے تقیہ کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے تو پھر خود آئمہ اطہارؑ میں سے بعض نے تقیہ

---

(۲۰) تفسیر مظہری، ج ۶، ص ۳۶۷، نیز تفسیر کبیر، معالم التنزیل بغوی ذیل آیت۔

(۲۱) تاریخ اسلام (شاہ معین الدین) ج ۱، ۲، ص ۳۲۔ نیز دیکھیئے سیرت سرورِ عالمؐ (مولانا مودودی) ج ۲، ص ۱۵۴۔، تاریخ خمیس، مطبوعہ مصر ج ۱، ص ۳۲۴۔

کیوں نہیں کیا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں کیوں ڈالا ہے مثلاً امام حسین علیہ السلام تقیہ کر سکتے تھے لیکن انھوں نے تقیہ نہیں کیا؟ اسی طرح آئمہ طاہرینؑ کے بعض پیروکاروں نے تقیہ کرنے کے بجائے اپنی جانیں قربان کرنے کو ترجیح دی ہے اور کلمہ حق کہتے ہوئے موت کو گلے لگاتے رہے ہیں مثلاً میثم تمارؓ نے ابن زیاد کے سامنے تقیہ کیوں نہیں کیا؟ یا اسی طرح دوسرے اصحاب آئمہ نے قتل ہو جانے کو کیوں ترجیح دی ہے؟۔

ان شبہات کے جواب میں چند نکات پیش کیئے جاتے ہیں:

۱۔ قانون تقیہ کا فلسفہ جہاں مؤمنین کی جان و مال اور عزت و آبرو کو بلاوجہ تلف ہونے سے بچانا ہے وہاں دین اسلام کی حفاظت کرنا بھی ہے۔ اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ دین اسلام کی حفاظت اہم ترین واجبات میں سے ہے اور کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے کہ جس میں دین و مذہب پر جان و مال اور عزت و آبرو تک قربان کرنا واجب ہو جاتا ہے اور دین کا محفوظ رہنا، جان کی بازی لگا دینے پر موقوف ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ایک خالص اور سچا مؤمن کسی قسم کی مصلحت اندیشی نہیں کرتا چہ جائیکہ ایک امام معصومؑ کہ جس کا فریضہ ہی دین و مذہب کی حفاظت کرنا ہے۔ اسی لیے تقیہ کو احکام پنجگانہ میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی کبھی تقیہ واجب ہو جاتا ہے اور کبھی حرام، کبھی مستحب اور کبھی مکروہ اور کبھی مباح۔ مستثنیات تقیہ میں بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ تقیہ اگر انہدام دین کا باعث بن رہا ہو تو وہ وہاں حرام ہو جاتا ہے۔ پس تعلیمات دین اور ارکان اسلام کی حفاظت کے لیے کبھی تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے اور کبھی تقیہ نہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مقصد، دین کی حفاظت ہے خواہ تقیہ کرنے سے انجام پائے خواہ ترک تقیہ سے۔ اسی طرح تقیہ مؤمنین کی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے لیکن اگر تقیہ کرنے سے مؤمنین کی جان وغیرہ تو بچ جائے

مگر مذہب و دین پر حرف آئے تو یہاں ترک تقیہ ضروری ہو جاتا ہے۔

۲۔ مسئلہ تقیہ میں مجاری تقیہ کی شناخت ضروری ہے یعنی تقیہ کرنے والے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسے کہاں تقیہ کرنا ہے اور کہاں تقیہ نہیں کرنا۔ تقیہ کے موارد و مجاری سے آ گاہی ایک ضروری امر ہے۔ ہوسکتا ہے عام لوگ تقیہ کے موارد کی درست پہچان نہ رکھتے ہوں اور اپنی کم علمی کی بناء پر جہاں تقیہ کرنا چاہیئے وہاں تقیہ ترک کردیں اور جہاں ترک تقیہ ضروری ہے وہاں تقیہ کرنے لگیں اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ زمان و مکان کے تقاضوں کے مطابق اور زندگی کے نشیب و فراز میں صحیح راہ اپنانا اکثر لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ عَلَى العاقِلِ اَن يَّكُونَ عارِفاً بِزَمانِهِ مُقبلاً عَلٰى شانِهِ﴾ (۲۲)

''عاقل انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنے زمانے کو پہچانے اور اپنے فریضہ پر عمل کرے''۔

حقیقی مؤمن کی پہچان یہی ہے کہ وہ اپنے زمانے سے آ گاہ ہوتا ہے وہ زندگی کے نشیب وفراز کو طے کرنا جانتا ہے اسے دنیا دھوکہ نہیں دے سکتی وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق، دین اسلام کے احکام کو جاری کرتا ہے چونکہ دین اسلام ہر زمانے کے لیے ہے پس مؤمن کو بھی چاہیئے کہ وہ ہر دور میں دین اسلام پر عمل کرے مگر یہ کام وہی کرسکتا ہے جو احکام دین سے آ گاہ ہو، ''تفقہ فی الدین'' کی صفت سے متصف ہو۔ اگر ایک مؤمن کے لیے یہ سب باتیں ضروری ہیں تو کیا امام معصومؑ کو ان صفات کا حامل نہیں ہونا چاہیئے؟ اور اپنے زمانے کے تقاضوں سے آ گاہ نہیں ہونا چاہیئے؟ یقیناً امام معصومؑ وہ بھی حضرت سید الشھداء امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی، اپنے زمانے

---

(۲۲) بحار الانوار، ج ۵، ص ۲۴۲ (طبع قدیم)۔

کے تقاضوں سے بھی پوری طرح آ گاہ تھی اوراحکام اسلام سے بھی مکمل طور پر مطلع تھی۔امام عالی مقامؑ جانتے تھے کہ کہاں تقیہ کرنا چاہیئے اور کہاں تقیہ کے بجائے جان قربان کرنی چاہیئے اور یہ بات ہروہ مسلمان جانتاہے کہ جوامام حسین علیہ السلام کے مقام و مرتبے سے آ گاہ ہے۔یہی صفات عالیہ تھیں کہ جن کی وجہ سے اپنے دونوں نواسوں کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"اَلحسنُ و الحُسَینُ سَیدا شَبابِ اهلِ الجَنَّةِ وَ هُما اِمامانِ قاما أو قَعدا" (۲۳)

یعنی "حسن اور حسینؑ جوانان اہل جنت کے سردار ہیں اور وہ ہردو امام (ورہبر) ہیں خواہ حالت قیام میں ہوں یا حالت قعود میں"۔

رسول خداؐ کا برسوں پہلے، ان دواماموں کے بارے میں اس طرح کی وصیت کرنا اسلام میں ان کی عظمت اور قابل اقتداء ہونے کی دلیل ہے۔یعنی رسولخداؐ اُمت کو وصیت فرمارہے ہیں کہ حسن و حسین علیہما السلام جس حالت میں بھی ہوں، قابل اقتداء ہیں اوران کی پیروی کرنی ضروری ہے، خواہ وہ کسی کے ساتھ صلح کی حالت میں ہو یا جنگ کی حالت میں۔کیونکہ وہ احکام دین سے بھی آ گاہ ہیں اور زمان و مکان کے تقاضوں کو بھی دوسروں کی نسبت بہتر جانتے ہیں۔

پس اگرامام حسن علیہ السلام، زمانہ معاویہ میں تقیہ کواپناتے ہوئے اس سے صلح کر لیتے ہیں تواس میں بھی دین اسلام کی حفاظت امامؑ کے مدنظر تھی اوراگرامام حسین علیہ السلام یزید کے مقابلے میں تقیہ ترک کر کے اعلان جنگ فرماتے تو یہ بھی دین کی حفاظت کے لیے تھا ورنہ یہی امام حسینؑ زمانہ معاویہ میں کئی برس، تقیہ کی حالت میں گزارتے ہیں اور معاویہ کے خلاف قیام نہیں فرماتے کیونکہ

---

(۲۳) بحارالانوار، ج ۴۳، ص ۲۶۵۔

امامؑ کی نظر میں معاویہ اور یزید کا زمانہ مختلف تھا اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق احکام اسلام پر عمل کیا جاتا ہے۔

تاریخ مسلمین کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یزید کا دور مسلمانوں کی تاریخ میں ایک استثنائی دور تھا۔ ایسا دور کہ جس میں دین اسلام کی بنیادیں ہلنے لگی تھیں۔ یزید تمام احکام اسلام کو پائمال کر رہا تھا۔ شراب نوشی، عیاشی اور کتوں اور بندروں سے کھیلنا، مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ پر حملہ کرنا، مدینہ منورہ میں قتل و غارت یہ سب یزید کے کارنامے تھے کہ جن سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ایسی حالت میں کوئی بھی حقیقی مؤمن خاموشی اختیار نہیں کر سکتا تھا، چہ جائیکہ امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی کہ جو خود محافظ دین تھے وہ کیسے احکام دین کو اس طرح پائمال ہوتا دیکھتے۔ گو کہ یزید کے لیے یہ سب مقدمات اس کے باپ معاویہ نے فراہم کیئے تھے لیکن وہ خود زیرک تھا، کھلے عام احکام اسلام کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اور محافظین دین کو اپنے خلاف قیام کرنے کا موقع نہیں دیتا تھا۔ اس نے یزید کو بھی یہی وصیت کی تھی کہ کھلے عام احکام دین کی توہین نہ کرنا، فلاں فلاں بزرگان دین سے نہ ٹکرانا، سیاست سے کام لینا لیکن یزید اس قدر عیاش، بے دین اور لاابالی تھا کہ اس نے اقتدار کی کرسی پر قدم رکھتے ہی دین اسلام کی جڑیں اکھاڑنی شروع کر دیں اگر یزید کو اس طرح کھلی چھٹی دے دی جاتی تو آج نہ تو روئے زمین پر احکام اسلام باقی رہتے اور نہ ہی کوئی سچا مسلمان باقی رہتا۔

اس کے علاوہ یزید، امام حسین علیہ السلام کو اپنی بیعت کرنے پر مجبور کر رہا تھا۔ یعنی وہ چاہتا تھا کہ امام عالی مقامؑ اس کی بیعت کر کے اس کے تمام غیر شرعی کاموں پر مہر تصدیق ثبت کر دیں۔ کیا ایسے حالات میں، امام علیہ السلام خاموش رہتے اور تقیہ کے بہانے دین کی ہر پائمالی

کو دیکھتے رہتے، جبکہ یہ سب حسینؑ بن علیؑ جیسی ہستی سے بعید تھا اور پھر یزید نے امام حسین علیہ السلام کی موت وحیات کو اپنی بیعت میں منحصر کردیا تھا لیکن امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"وَمِثْلِي لاٰ يُبَايِعُ مِثْلَهُ" (۲۴) یعنی "مجھ جیسا، اس جیسے کی بیعت نہیں کرتا"

پس امام علیہ السلام کا ایک ہی فیصلہ تھا کہ میں نے یزید کی بیعت نہیں کرنی چونکہ اس بیعت کا مطلب، تمام احکام دین کی پائمالی کو قبول کرنا ہے اور امام معصومؑ مفترض الطاعۃ کا یزید جیسے خلیفہ کی بیعت کرنے سے اسلام کا مٹ جانا یقینی تھا۔ اور جہاں یقین ہو جائے کہ ترک تقیہ سے اسلام مٹ جائے گا تو وہاں تقیہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے! وہ بھی امام معصومؑ کے لیے۔

۴۔ ان سب باتوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ اس معرکہ حق وباطل میں میری قربانی، مطلوب خداوند ہے اور یہ تقدیر الٰہی ہے کہ حق وحقیقت کے لیے ایک مقدس ترین ہستی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے اور پھر بہت سی احادیث نبویؐ میں بھی امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور بنی امیہ کی طغیانی کی پیش گوئی کی گئی تھی اور یہ ایک ایسی واقعیت تھی کہ جس کو خود امام حسین علیہ السلام نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللهَ شَاءَ اَن يَرَانِي قَتِيلاً وَاَن يَرَاهُنَّ سَبَايَاً﴾ (۲۵)

یعنی "بتحقیق خداوند مجھے مقتول دیکھنا چاہتا ہے اور انہیں (مخدرات عصمت کو) اسیر"۔

پس امام حسین علیہ السلام دین اسلام کی سربلندی اور حفاظت کے لیے تقدیر الٰہی کے اس

---

(۲۴) سخنان حسین بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، ص ۱۴۴۔

(۲۵) ایضاً، ص ۸۹۔

فیصلے سے آگاہ تھے اور جانتے تھے کہ فقط میری قربانی سے ہی اسلام بچ سکتا ہے جب ایک شجاع شخص ایسے حالات سے دوچار ہوجائے تو اس کے لیے موت کوئی معنی نہیں رکھتی اور وہاں تقیہ جیسے مفاہیم اپنی اہمیت کھودیتے ہیں۔لہذا علم امامؑ اور واقعہ کربلا کے بارے میں پیغمبر اسلامؐ کے فرمودات کے بعد ترک تقیہ ہی بہترین راستہ تھا۔

۵۔ بالفرض، یہاں ہم تقیہ کو رخصت شرعی کے معنی میں بھی لیں تو بھی امام حسین علیہ السلام جیسی ہستی کہ جو ایثار و قربانی اور شجاعت و دلیری کا نمونہ ہے، رخصت کے بجائے شہادت ہی کو ترجیح دیتی کیونکہ امام عالی مقامؑ نے وہی راستہ اپنانا تھا جو خداوند کے نزدیک زیادہ محبوب تھا اور آپؑ نے اسی فریضہ پر عمل کرنا تھا جو خدا کے نزدیک زیادہ فضیلت کا حامل تھا چونکہ رسول خداؐ کا فرمان ہے:

"اَفضَلُ الأعمالِ اَحمَضُها" یعنی خداوند کے نزدیک افضل ترین کام وہ ہے جو زیادہ سخت ہے اور پھر امامؑ خداوند کے فرمان: ﴿فَضَّلَ اللہُ المُجاهِدِينَ عَلَى القاعِدِينَ اَجرًا عَظِيماً﴾(۲۶) سے بھی آگاہ تھے اور فضیلت جہاد کو جانتے تھے۔لہذا ایسے حالات میں کہ جن میں اس وقت دنیائے اسلام گرفتار ہوچکی تھی، جہاد کرنا اور خدا کی راہ میں شہید ہوجانا ہی امام حسین علیہ السلام کے لیے زیادہ پسندیدہ تھا نہ کہ تقیہ جیسی رخصت شرعی پر عمل کرنا اور پھر امام عالی مقامؑ نے ایسا ہی کیا اور قیام و شہادت کو تقیہ پر ترجیح دے کر ہمیشہ کے لیے اسلام کے سچے پیروکاروں کا راستہ معین کر دیا کہ جب بھی احکام دین پر حرف آئے تو شرعی رخصت کے بجائے شہادت و فداکاری کا راستہ اپنانا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ رسول اکرمؐ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ اللہَ یُحِبُّ أن یُؤخَذَ بِرُخصَةٍ کَمایُحِبُّ أن یُؤخَذَ بِعَزائِمِه﴾(۲۷)

---

(۲۶) سورہ نساء، آیت ۹۵۔ (۲۷) وسائل الشیعہ، ج۱۱،ص ۲۸۱۔

یعنی ''بتحقیق خداوند جس طرح اپنی رخصتوں پر عمل کو پسند فرماتا ہے اسی طرح اپنے قطعی احکام پر عمل کو بھی پسند کرتا ہے''۔

اصحاب آئمہؑ کا تقیہ نہ کرنا

یہ حقیقت ہے کہ حجر بن عدیؓ اور میثم تمارؓ جیسے بہت سے اصحاب آئمہؑ نے تقیہ نہیں کیا اور وہ شہادت کو کھلے دل سے قبول کرتے رہے ہیں، لیکن اگر ان مجاہدین اسلام کے حالات زندگی اور اس زمانے کے سیاسی واجتماعی صورت حال کا بغور مطالعہ کیا جائے اور پھر تقیہ کی شرائط وحدود کو بھی نظر میں رکھا جائے تو یہ اعتراض خود بخود رفع ہو جاتا ہے اور واضح ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں نے جو بھی کردار ادا کیا ہے وہی صحیح کردار تھا۔ اگر ہم بھی انہی جیسے حالات سے دوچار ہوتے تو وہی کچھ کرتے جو انھوں نے کیا ہے۔ اس مسئلہ کی مذید وضاحت کے لیے چند نکات پیش کیئے جاتے ہیں۔

۱۔ جب حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت کا زمانہ آیا تو آپؑ کے محبوں اور دوستوں کو آپؑ سے اظہار عقیدت کرنے کا ایک بہترین موقع میسر آ گیا تھا، جس سے استفادہ کرتے ہوئے انھوں نے زبان کے ساتھ ساتھ شمشیر کے ذریعے بھی حق کا دفاع کیا اور اہل بیت اطہارؑ کے مقام ومرتبے کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کی سعی کی۔ اس سلسلے میں جو بھی ولایت وامامت کا دفاع وحمایت کرنے میں جتنی زیادہ کوشش کرتا تھا اس کی اہل بیت اطہارؑ سے محبت وعقیدت بھی زیادہ ظاہر ہوتی تھی اور وہ حامی ومحبّ اہل بیت کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ لیکن جب زمانے کے تقاضے بدلنے لگے اور حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد لوگوں کی امام حسن علیہ السلام سے بے وفائی وخیانت کی وجہ سے آپؑ کے لیے تقیہ کا زمانہ دوبارہ لوٹ آیا اور معاویہ بن ابی سفیان، نے خلافت

کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی تو اس نے اہل بیت اطہارؑ کے پیروکاروں پر زمین تنگ کردی۔ جولوگ تقیہ کرسکتے تھے وہ تو تقیہ کرتے تھے لیکن جو امام علی علیہ السلام کے برجستہ ونمایاں اصحاب تھے ان کے لیے تقیہ کا کوئی امکان نہیں تھا چونکہ یہ سب جانے پہچانے لوگ تھے۔ انھوں نے ہی معاویہ کے خلاف جہاد میں امام علیؑ کا ساتھ دیا تھا اور حکومت علیؑ کے استحکام کے لیے جان ومال قربان کیا تھا۔ یہ لوگ معاویہ کے خونخوار نمائندوں سے کیسے مخفی رہ سکتے تھے۔ لہذا میثم تمارؓ، رشید ھجریؒ، حجر بن عدیؓ جیسے لوگوں کا تقیہ کے بہانے اپنے آپ کو بچانا انتہائی محال تھا اور معاویہ کے انتقام کا نشانہ بننا ان کے لیے حتمی تھا۔

جو بھی تاریخ مسلمین سے معمولی سی بھی آگاہی رکھتا ہے وہ اصحاب علیؑ پر معاویہ کے ظلم وستم سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ یہاں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ۔ یہ بات امام حسینؑ کی طرف سے معاویہ کے نام لکھے گئے ایک مکتوب سے بھی ظاہر ہوتا ہے جس میں امام حسین علیہ السلام نے حجر بن عدیؓ وعمرو حمقؓ وغیرہ کے بارے میں معاویہ کے ظلم وستم کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اے معاویہ! تو نے ابن زیاد کو لکھا ہے کہ جو بھی دین علیؑ پر ہے اسے قتل کردو اور اس نے بھی انھیں یہ کہتے ہوئے قتل کردیا کہ: مجھے بہر حال معاویہ کے حکم کی اطاعت کرنی ہے''

پھر امامؑ لکھتے ہیں:

﴿ولم تفعل ذلک بهم إلاَّ لِذکرهم فَضلَنا وتعظیمهم حقنا﴾(۲۸)

''اس نے یہ ظلم وستم ان کے اوپر اس لیے کیئے ہیں کہ وہ ہمارے فضائل بیان کرتے تھے اور ہمارے حق میں

---

(۲۸) رجال کشی، شرح حال عمرو بن حمق، ص ۳۳۔

تعظیم و احترام کے قائل تھے"۔

اب اگر کوئی تعظیم اہل بیت رسول ؐ کی وجہ سے جانا پہچانا ہو اور پیروی علیؑ میں شہرت رکھتا ہو تو اس کے لیے بنی امیہ جیسے ظالموں سے بچنا کس طرح ممکن تھا اور وہ کس طرح تقیہ جیسی رخصت پر عمل کر سکتے تھے۔

۲۔ امام علی علیہ السلام جانتے تھے کہ ان کے بعد معاویہ ان کے باوفا ساتھیوں کو پکڑ لے گا اور ظلم و ستم کے ساتھ انھیں قتل کرے گا۔ آپؑ نے اپنے بہت سے اصحاب کو اس کی خبر دی تھی اور فرمایا تھا: "اگر تم کو مجھ پر سب و شتم کرنے کو کہا گیا تو یہ کام کر لینا، چونکہ اس میں میرے لیے پاکی اور تمہارے لیے نجات ہے، لیکن اگر مجھ سے بیزاری کا اظہار کرنے پر اکسایا گیا تو، مجھ سے بیزاری کا اظہار نہ کرنا"۔ معاویہ اور اس کے کارندے جب بھی کسی شیعہ علیؑ کو پکڑتے تو یہی مطالبہ کرتے کہ علیؑ سے اظہار بیزاری کرو، چونکہ وہ جانتے تھے کہ علیؑ کے سچے پیروکاروں کی شناخت کا یہی راستہ ہے کہ جس میں انھیں تقیہ کی اجازت نہیں دی گئی۔ (البتہ اظہار بیزاری کے سلسلے میں فقہی بحث اپنی جگہ ہے کہ اظہار بیزاری مستثنیات تقیہ میں سے ہے یا نہیں، اس کی بحث گذر چکی ہے)

چنانچہ میثم تمارؓ کو جب سولی پر لٹکایا جانے لگا تو ابن زیاد نے کہا: علیؑ سے اظہار بیزاری کرو! اور میثمؓ کو اختیار دیا گیا: یا قتل ہو جاؤ یا علیؑ سے بیزاری کا اظہار کرو"۔

یہاں میثمؓ جیسے مؤمن خالص نے تقیہ جیسے رخصت کو اختیار کرنے کے بجائے اپنے مولا علیؑ پر فدا ہو جانے کو ترجیح دی۔

۳۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ تقیہ کی کچھ حدود و قیود اور شرائط ہیں جب بات ان حدود و شرائط سے گذر جائے وہاں تقیہ کا جواز نہیں رہتا جیسا کہ امام باقر علیہ السلام کا فرمان ہے

کہ: ''جب بات خون ریزی تک پہنچ جائے وہاں تقیہ نہیں چونکہ قانون تقیہ خون ریزی سے بچانے کے لیے وضع کیا گیا ہے''۔

جب اصحاب آئمہؑ پر روشن ہو جاتا تھا کہ اب ان کا قتل ہو جانا یقینی ہے تو وہاں ان کے لئے تقیہ کرنے کا کیا فائدہ تھا؟

۴۔ دین ومذہب، جان ومال سے زیادہ ارزش رکھتا ہے۔اگر دین کی حفاظت اورنشر واشاعت، جان قربان کرنے پر موقوف ہو جائے تو بھی تقیہ اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔اسلام نے اسی لیے راہ خدا میں جہاد اور قتل وکشتار کی اجازت دی ہے تا کہ دینی قدریں پائمال نہ ہوں، ظاہر اسلام باقی رہے۔لہذا دین کی اہمیت جان سے زیادہ ہے۔جس کی وجہ سے اصحاب آئمہؑ حقیقی دین اور مذہب حقہ کی خاطر ایسی قربانیاں کھلے دل سے دیتے رہے ہیں اور تقیہ جیسی رخصت سے بے اعتنائی کرتے رہے ہیں۔

۵۔ حضرت علی علیہ السلام نے بارہا میثم تمارؓ وغیرہ کو شہادت کی خوشخبری سنائی تھی اور جنت میں مقام ومنزلت کی بشارت دی تھی اگر میثم ؓ تقیہ کر لیتے تو ان مقامات عالیہ سے محروم ہو جاتے۔اصحاب آئمہ ان مقامات عالیہ پر ایمان رکھتے تھے لہذا وہ زندگی کے بجائے مرنے کو ترجیح دیتے اور اپنے مناسب وقت پر شہادت کو گلے لگانا ان کے لیے آسان ہو جاتا تھا۔

۶۔ ایسا بھی نہیں کہ یہ لوگ تقیہ کے حکم سے جاہل تھے بلکہ وہ تقیہ کی مشروعیت پر ایمان رکھتے تھے۔جیسا کہ امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

﴿مامنع میثم رحمة اللهمن التقية؟فو اللهلقد علم إنَّ هذه الآية في عمار وأصحابه:إلَّامَن أُكرِهَ وقَلبُهُ مُطمَئِنٌ بِالإِيمانِ﴾ یعنی ''میثم پر خدا کی رحمت ہو، اس کو کس

چیز نے تقیہ سے روکا ہے؟ خدا کی قسم! وہ جانتے تھے کہ یہ آیت "**إِلَّا مَنْ اكره وقلبه** الخ" عمارؓ اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔ **(۲۹)**

یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام صادق علیہ السلام قسم کھا کر فرما رہے ہیں کہ میثمؒ تقیہ کے احکام سے آگاہ تھے اور پھر ان کے اوپر رحمت خدا بھی بھیجتے ہیں۔ جو شخص تفسیر قرآن کا علم رکھتا ہو اور تاویل قرآن سے آگاہ ہو، وہ کیسے تقیہ کے حکم سے جاہل ہو سکتا ہے؟۔ اگر تقیہ میثمؒ پر واجب ہوتا تو حضرت علیؑ اس کو تقیہ کی وصیت کرتے لیکن جس طرح امام علیؑ نے اسے تقیہ سے منع نہیں کیا، تقیہ کرنے کا حکم بھی نہیں دیا چونکہ وہ جانتے تھے کہ میثمؒ حکم تقیہ سے جاہل نہیں۔ میثمؒ بھی جانتے تھے کہ بنی امیہ کے مقابلے میں آئمہ اطہارؑ سے اظہار عقیدت کرنا ہی میرے جیسے شخص کا فریضہ ہے جبکہ عمار یاسرؓ کے دور میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، ایک مؤمن کا فقدان بھی اسلام کے لیے نا قابل تلافی نقصان تھا۔

یہ ہے "تفقه فی الدین" اور زمان و مکان کے تقاضوں سے آگاہی۔ میثمؒ کس طرح تقیہ کو فراموش کر سکتے تھے لیکن جب ابن زیاد نے انھیں با عزت موت اور ذلت و گمراہی پر مبنی زندگی کے درمیان مخیّر قرار دیا تو یہ بوڑھا خرما فروش، آئمہ اطہارؑ کے مذہب و راستے کی سربلندی کی خاطر شہید ہو جانے پر تیار ہو گیا اور اس نے تقیہ جیسی رخصت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

---

(۲۹) وسائل الشیعه، ج ۱۶، ص ۲۲۶، کتاب امر و نہی باب ۲۹، ح ۳

فہارس

۱۔آیات

۲۔احادیث

۳۔اعلام

۴۔منابع

۱۔فہرست آیات

آیات	سورہ	آیہ	صفحات
اِجعَل بینَنا و بینَهُم سَدًّا	کہف	۹۴	۲۷
أَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَہُ وَلَا تَنَازَعُوا	انفال	۴۶	۶۱
فَمَنِ اضطُرَّ غَیرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ	انعام	۱۴۵	۴۱
"فَوَقَاہُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِ مَامَکَرُوا"	مئومن	۴۵	۱۸
قَالَ رَجُلٌ مُّؤمِنٌ مِّن الِ فِرعَونَ یَکتُمُ اِیمَانَہ'	مئومن	۲۸	۳۷
لَایَتَّخِذِ المُؤمِنُونَ الکٰفِرِینَ اَولِیَآءَ مِن دُونِ المُؤمِنِینَ	آل عمران	۲۸	۱۸،۳۳،۳۴،۱۰۳، ۱۱۹
لَاتُلقُوا بِأَیدِیکُم إِلَی التَّهلُکَة	بقرہ	۱۹۵	۴۷،۸۴
وَمَاجَعَلَ عَلَیکُم فِی الدِّینِ مِن حَرَجٍ	حج	۷۸	۳۹
مَن کَفَرَ بِاللّٰہِ مِن بَعدِ اِیمَانِہِ اِلَّا مَن اُکرِہَ وَقَلبُہ' مُطمَئِن	نحل	۱۰۶	۳۶،۱۱۵،۱۲۰
مَالَکُم اَلَّاتَاکُلُوا مِمَّا ذُکِرَ اسمُ اللّٰہِ عَلَیہِ	انعام	۱۱۹	۴۰،۱۲۷
مَایُرِیدُ اللّٰہُ لِیَجعَلَ عَلَیکُم مِّن حَرَجٍ وَلٰکِن یُّرِیدُ	مائدہ	۶	۳۹
وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعاً	آل عمران	۱۰۳	۶۱
یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اِذَا لَقِیتُمُ الَّذِینَ کَفَرُوا زَحفًا	انفال	۱۵،۱۱۶	۲۵
یُرِیدُ اللّٰہُ بِکُمُ الیُسرَ وَلَا یُرِیدُ بِکُمُ العُسرَ	بقرہ	۱۸۵	۴۰
إن المنافقین فی الدرک الاسفل من النار	نساء	۱۴۵	۱۶۴

آیات	سورہ	آیہ	صفحات
و عَمِلُو الصَّالِحاتِ	بقرہ	۲۷۷	۴۴
قُل لاأسئَلُکُم عَلَیهِ أجراً إِلَّا المُودّة فی القربٰی	شوریٰ	۲۳	۱۸۱
فَضَّلَ الله المجاهدین علیٰ القاعدینَ اَجراًعظیماً	نساء	۹۵	۱۹۶
وَفَعَلْتُ فَعْلَتَکْ اَلَّتِی فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ	الشعراء	۱۹	۱۸۹
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤمَرُوَاَعْرِضْ عَنِ المُشْرِکِیْنَ	الحجر	۹۴	۱۸۹
وَاِذکُر فِی الکِتٰبِ اِبرَهِیمَ اِنَّه کَانَ صَدیقاً نَبِیاً	مریم	۴۱	۱۸۷

☆☆☆☆☆☆☆

۲۔فہرست احادیث

صفحات	احادیث
	قال النبی(ص):
۱۵۶	﴿اذا بَلَغكُم عن رجل حُسن حال فانظروافی حُسن عقله......﴾
	قال النبی (ص):
۲۳	﴿حرمة مال المسلم كحرمة دمه﴾
	قالَ النبی(ص):
۲۹	﴿"إِنَّ الاَنبِياءَ إِنَّمافَضَّلَهُمُ اللهُعَلٰى خَلقِهِ بِشِدَّةِ مُدٰراتِهِم﴾
	قال النبی(ص):
۴۵	﴿مثل مؤمن لاتقية له كمثل جسد لارأس له﴾
	قال النبی (ص):
۱۸۰	﴿لا تحدثوا امتى من احاديثى اِلَّابما تحمله عقولهم﴾
	قال النبی(ص):
۵۹	﴿أمرنی ربی بمداراة....﴾
	قال النبی(ص):
۵۹	﴿مداراة الناس نصف الإيمان والرفق بهم نصف العيش﴾
	قال النبی(ص):
۱۷۹،۶۶	﴿إِنّامَعاشِرَ الانبياءِ اُمِرنا أن تُكَلِّمَ النَّاسَ عَلىٰ قَدرِ عُقُولِهِم﴾

قال النبی(ص):

﴿"اَلحسنُ و الحُسَینُ سَیداشَبابِ اهلِ الجَنَّةِ وَ هُمٰا اِمٰامٰان .....﴾ ۱۹۳

قال النبی (ص):

﴿اِنَّ اللهَ یُحِبُّ أن یُؤخَذَ بِرُخَصِة کَمٰایُحِبُّ أن یُؤخَذَ بِعَزائِمِه﴾ ۱۹۶

قال النبی (ص):

﴿"اَفضَلُ الأعمٰالِ اَحمَضُهٰا"﴾ ۱۹۶

قال امیرالمومنین (ع):

﴿ستدعون اِلی سبّی فسبونی وتدعون اِلی البرائةمنی.....﴾ ۷۹

قال أمیر المؤمنین (ع):

﴿التقیة من أفضل أعمال المؤمن،یصون بهانفسه وإخوانه عن .....﴾ ۹۳،۴۵

قَال امیر المئومنین(ع):

﴿أِنَّ بَعدِی فَتِنًامُظلِمَةًعَمیاءً مُتَشَکِّلَةً لاٰیَبقٰی .....﴾ ۳۱

قال امیر المؤمنین (ع):

﴿لایَجِدُ عَبدٌ طَعمَ الإیمٰانِ حَتّٰی یَترُکَ الکِذبَ هَزلَهُ وَجِدّ'.....﴾ ۱۶۹

قال الحسین(ع):

﴿وَمِثلِی لاٰ یُبٰایِعُ مِثلَهُ﴾ ۱۹۵

قال الحسین (ع):

﴿'إِنَّ اللهَ شٰاءَ اَن یَرٰانِی قَتِیلاً وَاَن یَرٰاهُنَّ سَبٰایاً﴾ ۱۹۵

قال الحسين (ع):

﴿'ولم تفعل ذلک بهم إلاَّ لِذكرهم فَضلَنا وتعظيمهم حقنا﴾ ۱۹۸

قال على بن الحسين (ع):

﴿يغفر اللهللمؤمن كل ذنب ويطهره منه فى الدنيا .....﴾ ۴۶

قال على بن الحسين(ع):

﴿إتَّقُوا الكِذبَ،الصَّغيرمِنهُ والكَبيرَفي كُلِّ جِدٍّوَهَزلٍ فَإنَّ الرَّجُلَ الخ﴾ ۱۶۸

قال الباقر(ع):

﴿التقية فى كل شئى يضطر اليه ابن آدم فقداحله الله له﴾ ۴۷،۷۰

قا ل الباقر(ع) :

﴿كذب أبوظبيان،أمابلغک قول على عليه السلام فيكم: الخ﴾ ۷۷

قال الباقر(ع):

﴿اِنَّماجعلت التقية ليحقن بهاالدم،فإذابلغ الدم فليس تقية﴾ ۷۸

قال الصادق (ع) :

﴿والتقية فى كل شئى اِلا فيالنبيذ والمسح.....﴾ ۷۵

قال الصادق (ع):

﴿ثلاثة لا اَتقى فيهن اَحداً:شرب المسكرومسح.....﴾ ۷۴

قال الصادق(ع):

﴿لادين لمن لاتقية له،ولاايمان لمن لاورع له﴾ ۴۳

قَال الصادق(ع):

﴿فى تفسير: أِجعَل بَينَنَاوبِينَهُم سَدًّا.....:هُوالتَقِيَّةُ﴾ ۲۷

قال الصّادق (ع):

﴿كَانَ أبی عليه السلام يَقُولُ: وَأَىُّ شَئىٍ أَقَرُّلِعَينِی مِنَ التَّقِيَّةِ﴾ ٢٦

قال ألصادق(ع):

﴿رحم الله عبداً اجتر مودّة الناس إلی نفسه فحدثهم بما......﴾ ٦٠

قال الصّادق (ع):

﴿ألتَّقِيَّةُ تُرسُ اللهِ بَينَهُ وبَينَ خَلقِهِ﴾ ٢٧

قال الصادق(ع):

﴿ياأباعمر إنَّ تسعةأعشار الدين فی التقية ولادين لمن لاتقية له......﴾ ٤٣

قال الصادق(ع):

﴿وَعَلَيكُم بِمُجَامَلَةِ أهلِ البَاطِلِ﴾ ٣٠،٥٩

قال الصادق(ع):

﴿إياكم أن تعملوا عملاً يُغيرونابه،فإنَّ ولدالسوءِ يغيروالده ...... الخ﴾ ٦٠

قال الصادق (ع):

﴿والمُؤمِنُ مُجَاهِدٌ،لِأنَّهُ يُجَاهِدُ أعدَاءِ اللهِ عَزَّوجَل فِی دَولَةِ ......﴾ ٣١

قال الصادق(ع):

﴿"إتقوا علٰی دينكم وأحجبوا ه بالتقية"﴾ ٢٨،٩٤

قال الصَّادِق (ع):

﴿إذاعَمِلتَ بِالتَقِيّةِ لَم يَقدِروا لَکَ عَلٰی حِيلَةٍ وَهُوَ حِصنٌ ...... والخ﴾ ٢٩

قال الصادق (ع):

﴿يا مُعَلَّی أِنَّ اللهَ يُحِبُّ أن يُعبَدَ فِی السِّرِّ كَمايُحِبُّ أن يُعبَدَفِی العَلَانِيَةِ﴾ ٣٠

قال الصادق (ع):

﴿التقية دين الله عزوجل،قلت!من دين الله؟قال:.....الخ﴾ ۴۳

قال الصادق (ع):

﴿لاواللهماعلٰى وجه الأرض شئى أحب إلَّى من التقيةالخ﴾ ۴۴

قال الصادق(ع):

﴿فى حديث.أن المؤمن إذاأظهرالإيمان ثم ظهر منه .....الخ﴾ ۷۲

قال الصادق(ع):

﴿فى حديث .اَنه قيل له : مدالرقاب اَحبّ اليک اَم البرائة مِن ..... الخ﴾ ۷۹

قال الصادق (ع):

﴿فى حديث :ماأكثرمايكذب الناس علىٰ على(عليه السلام)ثم الخ﴾ ۸۰

قال الصادق (ع):

﴿مامنع ميثم رحمة اللهمن التقية؟فواللهلقد علم إنَّ هذه الآية فى .....﴾ ۸۴،۲۰۰

قال الصادق(ع):

﴿إنَّ الله عَزَّوجَل جَعَلَ لِلشَّرِّ أقفالاً وَجَعَلَ مَفَاتِيحَ تِلکَ الأقفالِ .....﴾ ۱۶۹

قال الصادق (ع)

﴿'إنَّ الكِذبَ هُوَ خرابُ الإيمان﴾ ۱۶۹

قال الصادق(ع):

﴿عَلَى العاقِلِ اَن يَكُونِ عارِفاً بِزمانِهِ مُقبِلاً عَلٰى شانِهِ﴾ ۱۹۲

قال الکاظم(ع):

﴿.....أمالئن قُلت ذلک إنی التقیة تجوز فی شرب الخمر﴾ ۷۳

قال الرضا(ع):

﴿لادین لمن لاورع له،ولاإیمان لمن لاتقیة،وإن أکرمکم عندالله﴾ ۴۶

قال العسکری(ع):

﴿إِنَّ أبَاطالب کَمُؤمِن آلِ فرعون یکتم إیمَانَهُ﴾ ۳۹

قال العسکری(ع):

﴿فی قوله تعالیٰ:وَعَمِلُواالصالِحاتِ.....قال:قضواالفرائض کلها﴾ ۴۴

☆☆☆☆☆☆

۳۔فہرست اعلام

اعلام صفحات

(الف)

آل فرعون: ۳۸، ۳۹

آلوسی: ۱۰۰

آئمہ طاہرین (اہلبیت): ۱۱، ۲۶، ۳۳، ۳۵، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۵۴، ۵۸، ۶۱، ۷۸، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۵، ۱۴۹، ۱۷۹، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۹۰

ابراہیمؑ: ۱۸۷، ۱۸۸

ابوبصیر: ۴۳

ابوطالبؑ: ۳۹

ابوبکر حضرمی: ۸۰

ابوالحسن ماوردی: ۱۲۳

ابوالحیان اندلسی: ۱۱۰، ۱۱۱

امام علیؑ (امیر المؤمنین): ۳۱، ۳۹، ۴۵، ۵۶، ۷۸، ۸۲، ۹۳، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۷۰، ۱۸۵، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰

امام حسنؑ: ۱۴۱، ۱۹۳، ۱۹۷

امام حسینؑ: ۱۴۱، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۸

امام زین العابدینؑ: ۴۶، ۱۶۸

امام باقرؑ : ۴۷، ۷۷، ۷۸، ۱۶۹، ۱۷۰

امام صادقؑ: ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۳۰، ۳۱، ۳۴، ۳۸، ۴۳، ۴۴، ۵۹، ۶۰، ۷۳، ۷۵، ۷۹، ۸۱،
۸۵، ۹۳، ۱۱۱، ۱۴۴، ۱۶۹، ۱۷۰، ۲۰۰

امام کاظمؑ: ۷۳، ۷۴

امام رضاؑ : ۴۶، ۷۹

امام حسن عسکری: ۳۹، ۴۴، ۴۵، ۴۶

امام زمانہؑ: ۴۷، ۱۵۵

امام خمینیؒ (امام اُمت): ۳۲، ۵۵، ۵۷، ۶۹، ۷۲، ۸۸، ۸۹، ۹۷، ۱۵۳، ۱۵۶

امامیہ (شیعہ، اہل تشیع): ۴۱، ۴۲، ۵۰، ۹۹، ۱۳۸، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۸، ۱۶۶، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۶، ۱۹۰

انصاری (شیخ مرتضی): ۱۹، ۳۲، ۵۳، ۶۸، ۸۷، ۹۶

ابن حجر عسقلانی: ۵۰، ۱۰۰

ابن بطال: ۵۰

ابن زیاد: ۱۹۹، ۱۴۱، ۱۴۲

ابن منذر: ۵۰

ابن عباس: ۱۰۵، ۱۱۶

ابن مسعود: ۱۱۱

ابن قدامہ: ۱۲۸

ابن کثیر: ۱۲۹

ابن جزی کلبی: ۱۲۸

ابن عربی: ۱۲۸

ابن تیمیہ: ۱۶۶

ابو ہریرہ: ۱۸۰، ۱۸۷

ابی عبیدہ: ۱۲۷

اسامہ بن زید: ۱۱۱

اہل سنت: ۴۱، ۵۰، ۶۰، ۶۲، ۶۳، ۶۵، ۹۶، ۹۹، ۱۰۲، ۱۲۹، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۸۷، ۱۹۰

(ب)

بروجردی، حسین: ۲۱، ۲۴

بنی ہاشم: ۴۹

بنی اُمیہ: ۷۳، ۱۳۸، ۱۴۰

بنی عباس: ۱۳۸، ۱۴۳، ۱۴۶

بنی مروان: ۱۴۳

بجنوردی، حسن: ۹۰، ۹۸

بیضاوی: ۱۰۹، ۱۲۴، ۱۸۹

بغوی: ۱۱۲، ۱۲۵

بخاری: ۱۱۷، ۱۱۹، ۱۳۰، ۱۳۶

بروسی حنفی: ۱۲۹

بلال: ۱۲۳

(پ)

پانی پتی (قاضی ثناءاللہ) ۱۸۹

(ت)

تاج الدین حنفی: ۱۲۹

(ج)

جاراللہ زمخشری: ۱۰۳، ۱۲۵

جصاص (ابی بکر حنفی) ۱۲۷

جلال الدین سیوطی: ۱۰۴، ۱۲۲، ۱۴۳

جابر بن یزید: ۱۱۶

جمال الدین قاسمی: ۱۱۶

(ح)

حبیب: ۴۴

حسن بصری: ۱۱۹، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۵

حجر بن عدی: ۸۳، ۱۹۷، ۱۹۸

حجاج: ۱۱۹، ۱۴۳، ۱۴۹

حکیم (محسن): ۹۰، ۹۷

حمید عنایت: ۱۳۷

(خ)

خوئی (ابوالقاسم): ۸۹

خازن: ۱۲۸

خباب: ۱۲۳

(د)

درست ابن منصور: ۷۳

(ر)

رسول اللہ (نبی اکرمؐ) ۱۱، ۲۳، ۲۹، ۳۴، ۴۱، ۴۲، ۴۵، ۴۹، ۵۵، ۵۹، ۶۷، ۸۱، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۳۱، ۱۳۳، ۱۴۸، ۱۵۶، ۱۸۰، ۱۹۰، ۱۹۶

رشید ہجری: ۱۹۸

(ز)

زہراءؑ (فاطمہ) ۵۴، ۱۸۵

زرارۃ: ۷۴

(س)

سمیّہ: ۳۶، ۱۲۴

سعید بن جبیر: ۸۳، ۱۱۹

سرخسی حنفی: ۹۹، ۱۰۸

(ش)

شہید اول: ۲۱، ۳۵، ۵۳، ۹۵، ۹۸

شہید ثانی: ۹۵، ۹۸

شافعی: ۱۲۶

شہرستانی: ۲۱

شوکانی: ۱۲۹

شاہ ایران: ۱۵۵

(ص)

صاحب جواہر: ۷۷

صعصۃ بن صوحان: ۱۱۱

صہیب: ۱۲۳

(ض)

ضحاک: ۱۰۵،۱۱۶

(ط)

طبرسی (علامہ): ۲۰

طوسی (شیخ حسن): ۲۰،۳۴،۴۸،۱۸۳

طباطبائی (محمد حسین): ۳۵

طبری: ۱۰۴،۱۰۵

(ع)

عمار یاسر: ۳۶،۳۷،۸۰،۸۵،۱۲۱،۱۲۲،۱۲۳،۱۲۴،۱۲۶،۱۳۳،۱۶۴،۲۰۱

عبداللہ ابن سنان: ۵۹

عبداللہ بن عفیف: ۸۳

عبداللہ بنابی یعفور: ۹۴

عبد بن حمید: ۱۱۹،۱۰۴

عبدالحق حقانی دہلوی: ۱۱۷

عطاء بن ریاح: ۱۲۶

عروہ بن زبیر: ۱۳۰

علی بن الخزاعی: ۷۹

عمرو بن الحمق: ۱۹۸،۸۳

عمر بن خرج رجحی: ۱۴۵

عائشہ: ۱۳۱،۱۳۰

عیاشی: ۷۹،۳۴

(غ)

غزالی: ۱۳۳

غفاری (ابوذرؓ) ۱۴۰

(ف)

فرعون: ۳۸،۳۷

فخرالدین رازی: ۱۲۱،۱۲۰،۱۰۸،۱۰۷،۱۰۶،۱۰۵

فضل بن شازان: ۱۴۵

(ق)

قتادہ: ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۰

قرطبی: ۱۱۵، ۱۲۸

(ک)

کاشف الغطاء: ۶۹

کمیت ابن زید: ۷۳، ۷۴

کلبی: ۱۲۳

(م)

مامون عباسی: ۱۴۵

متوکل: ۱۴۵، ۱۴۹

موسیٰؑ: ۳۸، ۱۸۹

مفید (شیخ) ۵، ۱۹

مفضل: ۲۸

معلیٰ بن خنیس ۳۰، ۱۴۴

مسیلمہ کذاب: ۵۵، ۱۰۶، ۱۳۲

مدرک ابن ہزہاز: ۵۹، ۶۰

میثم تمار: ۸۳، ۸۵، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱

محمد بن مروان: ۸۵

محمد کاظم یزدی (سید) ۸۸

مسعدۃ بن صدقہ: ۶۹، ۷۳، ۷۲، ۸۱

محمد اسقنطوری: ۱۴۴

محمد بن ابی عمیر: ۱۴۵

محمد بن میمون: ۷۹

محمد بن مسعود عیاشی: ۷۹

محقق ثانی: ۹۶

محمد رشید رضا (سید): ۱۰۱

ملیح آبادی (امیر علی): ۱۱۸، ۱۱۹

مدائنی (ابوالحسن): ۱۴۱

مراغی (شیخ): ۱۰۱، ۱۱۴، ۱۲۶

موسیٰ جار اللہ ترکمانی: ۱۰۱

مجاہد: ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۱۶

منصور عباسی: ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۹

مودودی (ابوالاعلیٰ): ۱۱۷

متقی ہندی: ۱۲۹

محمد بن عقیل علوی حضرمی: ۱۳۴

محمود شلتوت: ۱۷۶

معاویہ: ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۹، ۱۹۴، ۱۹۷، ۱۹۸

مسلم بن عقیل: ۱۴۳

مہدی عباسی: ۱۴۵

مفتی محمد شفیع: ۱۸۸

(ن)

نوح حنفی: ۱۴۷

نووی: ۱۳۴

نظام نیشاپوری: ۱۱۳

ندوی (شاہ معین الدین): ۱۴۱

(ہ)

ہشام الکندی: ۶۰

ہانی: ۱۴۳

ہادی عباسی: ۱۴۵

ہارون الرشید: ۱۴۵

(ی)

یاسر: ۳۶، ۱۲۴

یعقوب: ۱۰۹، ۱۱۲

یمانی (امام مرتضیٰ): ۱۱۶

یزید: ۱۴۲، ۱۹۴، ۱۹۵

☆☆☆☆☆☆☆☆

۴۔فہرست منابع

(۱)قرآن مجید

(۲)آلوسی،محمود،**روح المعانی**،بیروت،دارالفکر،۱۴۰۸ھ(۱۹۷۸ء)۔

(۳)اصفہانی،ابوالفرج،**مقاتل الطالبین** (ترجمہ رسولی محلاتی)،تہران،کتابفروشی صدوق،بی تا

(۴)الازہری،پیرکرم شاہ،**ضیا القرآن**،لاہور،ضیاالقرآن پبلی کیشنز،۱۹۹۵ء

(۵)امام خمینیؒ،**الرسائل العشرہ**،طبع اول،تہران،مئوسسۃ تنظیم ونشرآثارامام خمینیؒ،۱۴۲۰ھ۔

(۶)امام خمینیؒ،**مناسك حج**،(اردو)طبع اول،قم،دفتر تبلیغات اسلامی،(بی تا)۔

(۷)امام خمینی،**صحیفہ امام**،طبع اول،تہران،،مئوسسۃ تنظیم ونشرآثارامام خمینیؒ،۱۴۲۰ھ۔

(۸)انصاری،مرتضی،**کتاب المکاسب**،(ج۳)،بیروت،مئوسسۃ النعمان،۱۴۱۰ھ۔

(۹)بجنوردی،میرزاحسن،**القواعد الفقہیۃ**،طبع اول،نجف،مطبعۃ الادب،۱۳۸۹ھ۔

(۱۰)بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،**صحیح بخاری**،،بیروت،دارالکتب العلمیہ۔

(۱۱)بغوی،ابی محمدالحسین بن مسعود،**معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل**،بیروت،
دارالفکر،۱۴۰۵ھ(۱۹۸۵ء)

(۱۲) بیضاوی،عبداللہ بن عمر،**تفسیر بیضاوی**،طبع اول،بیروت،مئوسسۃ الاعلمی،۱۴۱۰ھ(۱۹۹۰ء)

(۱۳)ترمذی،**جامع ترمذی**،مترجم اُردو(مترجم علامہ محمد صدیق سعیدی ہزاروی)،دہلی،ادبی
دنیا،۱۹۹۰ء

(۱۴)جوہری،اسماعیل بن حماد،**الصحاح**،طبع سوم،بیروت،دارالعلم للملایین،۱۴۰۴ھ۔

(۱۵)جصاص،ابی بکر احمد بن علی،**احکام القرآن**،بیروت،دارالکتب العربی۔

(۱۶)حرعاملی،محمد بن حسن،**وسائل الشیعہ**،طبع اول بیروت مئوسسۃ آل البیت لاحیاء

التراث، ۱۴۱۳ھ۔

(۱۷) حقانی، شیخ عبدالحق دہلوی، **تفسیرِ حقانی**، لاہور، الفصل، بی تا۔

(۱۸) حکیم، محسن، **مستمسك عروة الوثقى**، طبع اول، قم، مؤسسة دار التفسير، ۱۴۱۶ھ

(۱۹) حمید عنایت، **اندیشه سیاسی اسلام**، (ترجمہ بهاءالدین خرم شاہی) طبع سوم، تہران، خوارزمی ۱۳۷۲ش

(۲۰) خدا کرمی، ابوعلی، **تقیه رمز بقا**، باراول، قم، دارالنشر اسلام، ۱۳۷۷ش۔

(۲۱) خوئی، ابوالقاسم، **التنقیح**، طبع دوم، قم، مؤسسة آل البیت۔

(۲۲) رازی، فخر الدین، **التفسیر الکبیر**، طبع اول، بیروت، دارالکتب العلمیة، ۱۴۱۱ھ۔

(۲۳) ری شہری، **میزان الحکمة**، قم، دفتر تبلیغات اسلامی

(۲۴) زمخشری، جاراللہ، **الکشاف**، بیروت، دارالفکر، ۱۳۹۷ھ (۱۹۷۷ء)

(۲۵) سَرَخسی، شمس الدین، **المبسوط**، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۹ء)

(۲۶) سیوطی، جلال الدین، **الدر المنثور فی التفسیر الماثور**، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۴ھ (۱۹۹۳ء)

(۲۷) سیوطی، جلال الدین، **تاریخ الخلفاء**، طبع دوم، بغداد، مکتبہ المثنی، ۱۳۸۳ھ

(۲۸) شافعی، محمد بن ادریس، **احکام القرآن**، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء)

(۳۰) طباطبائی، محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن**، پنجم، قم، مؤسسة اسماعیلیان، ۱۴۱۲ھ۔

(۳۱) طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، **جامع البیان عن تاویل القرآن**، طبع دوم، مصر، مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ء)

(۳۲) طبرسی، فضل بن حسن، **مجمع البیان**، طبع.....، بیروت، دارالمعرفة، (بی تا)۔

(۳۳) طوسی، شیخ حسن، **تلخیص الشافی**، طبع سوم، قم، دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۹۴ھ

(۳۴) عسقلانی، محمد بن حجر، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**، طبع چہارم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)

(۳۵) عمیدی، ثامر ھاشم، **واقع التقیه عند المذاهب والفرق الاسلامیة غیر الشیعة الامامیة**، قم، الغدیر۔

(۳۶) قاسمی، جمال الدین، **محاسن التاویل**، مصر، (بی تا)

(۳۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، **تفسیر مظهری**، کراچی، دار الاشاعت، ۱۴۱۱ھ

(۳۸) قرطبی، محمد بن احمد، **الجامع الاحکام القرآن**، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)

(۳۹) کلانتری، علی اکبر، **حکم ثانوی در تشریع اسلامی**، بار اول، قم، دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۷۸ش۔

(۴۰) کلینی، محمد بن یعقوب، **اصول الکافی**، بار اول، بیروت، دار الاضواء، ۱۴۱۳ھ۔

(۴۱) ماوردی، ابوالحسن، **النکت والعیون**، طبع اول، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۲ء)

(۴۲) مختاری، محمد حسین، **فرهنگ اصطلاحات فقهی**، اول، تہران، انجمن قلم، ۱۳۷۷ش۔

(۴۳) مراغی، احمد مصطفیٰ، **تفسیر المراغی**، طبع دوم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۸۵ء۔

(۴۴) مظفر، محمد حسین، **تاریخ شیعه**، طبع دوم، بیروت، دار الزہراء، ۱۴۰۸ھ

(۴۵) مغنیہ، محمد جواد، **الشیعه والحاکمون**، بیروت، دار الجواد، ۱۴۰۵ھ

(۴۶) مفتی محمد شفیع، **معارف القرآن**، کراچی، ادارہ المعارف، ۱۹۹۶ء

(۴۷) مفید، محمد بن نعمان، **تصحیح اعتقادات الامامیة**، مصنفات الشیخ المفیدؒ، طبع اول، قم، المؤتمر العالمی الالفیۃ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ

(۴۸) ملیح آبادی، سید امیر علی، **مواهب الرحمن**، لاہور، مکتبہ رشیدیہ ، بی تا

786
2016

(۴۹) مودودی، ابوالاعلیٰ، **تفہیم القرآن**، طبع ۲۵، لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، ۱۴۱۲ھ (۱۹۹۱ء)

(۵۰) مودودی، ابوالاعلیٰ، **سیرت سرور عالم**، طبع ہشتم، دہلی، مکتبہ اسلامی، ۱۹۸۹ء

(۵۱) نجمی، محمد صادق، **سخنان حسین بن علی از مدینہ تا کربلا**، طبع ہفتم، قم، دفتر انتشارات اسلامی، ۱۳۶۵ شمسی۔

(۵۲) ندوی، شاہ معین الدین، **تاریخ اسلام**، کراچی، دارالاشاعت

(۵۳) وحیدالزمان، **ترجمہ صحیح بخاری شریف**، دہلی، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس، ۱۴۰۰ھ

(۵۴) ہندی، علی متقی، **کنزل العمال**، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۰۵ھ (۱۹۸۵ء)

(۵۵) یزدی، محمد کاظم، **عروۃ الوثقی**، قم، انتشارات اسلامی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

15073
Acc No. 10,360 Date 2/10/05
Section.......... Status..........
D.D. Class..........
NAJAFI BOOK LIBRARY

ROSHAN HAQAYEQ

VOL.2

TAQIYA KI SHAREI HASIYAT

BY

SAYED RAMEEZ-UL-HASSAN
MOSAVI

DAR-UL-MAVADDAT

RR
SS75.